خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے اپنی طرز کا پہلا ماہنامہ
MAY 2005
خواتین ڈائجسٹ
سالگرہ نمبر-2

ناولٹ

فائزہ افتخار

صدف کے گہر

ڈائجسٹ ناولز لورز گروپ

"بس خالہ، یوں سمجھو لڑکی نہیں ہیرا ہے۔ بلکہ ہیرا موتی ہے۔"

"اے بہو! مجھے ایسی پلی پلائی موٹی بہو نہیں چاہیے۔" روشن آرا نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہیں؟ موٹی؟ پلی پلائی... اوہو..." اچانک اسے یاد

نیو سٹوڈنٹ لائبریری
پسرور روڈ صادق آباد
نوٹ کتاب کے اوپر لکھنا منع ہے۔ کتاب پھٹی

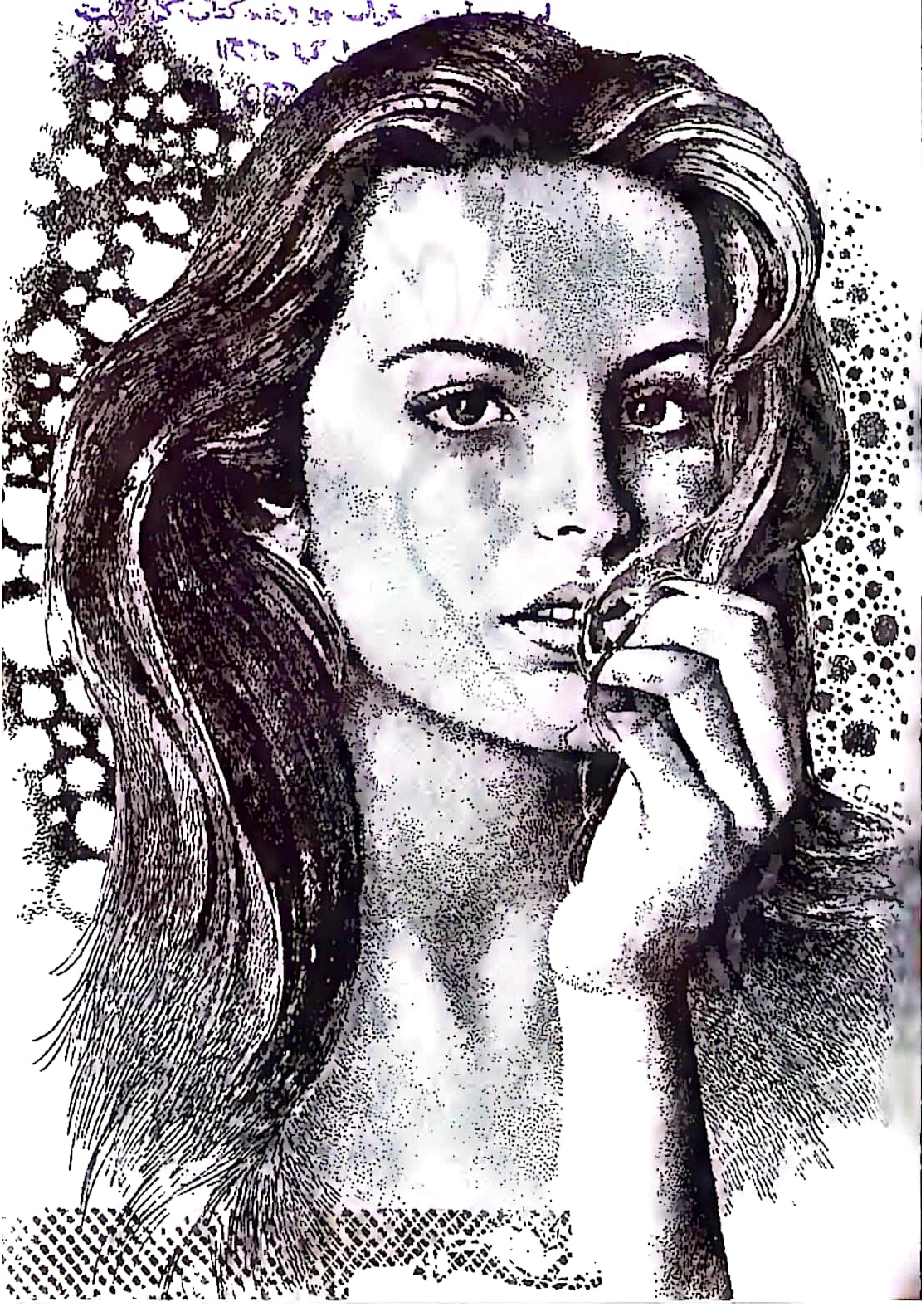

آیا کہ ہیرا موتی ان کے ذہنوں کی جوڑی کا نام ہے۔

"ارے خالہ! میرا کہنے کا مطلب تھا کہ وہ ہیرے موتی جیسی نایاب اور بیش قیمت ہے۔"

"ہیرا موتی کہاں کے نایاب ہیں، لگے پھرتے ہیں گلی محلے، ہاں میرے والے ذرا زیادہ ہی پل گئے ہیں کھا کھا کے اور یہ تو نے کیا کہا بیش قیمت ارے مہنگی ہو یا سستی ہمیں خرید کے بہو نہیں لانی۔"

"لاحول ولا قوۃ۔" تیمور نے اب کسی بھی قسم کی تشبیہ یا استعارہ استعمال کرنے سے توبہ کرلی۔

"میں بھی کہاں سر کھپا رہا ہوں۔ یا یوں کہو بھینس کے آگے بین بجا رہا ہوں۔" اس کی بڑبڑاہٹ میں سے روشن آرا کو صرف لفظ "بھینس" سنائی دیا۔

"بھینس دیں گے جہیز میں؟ نہ بھئی مجھے نہیں وارا کھاتی ایسی بہو اور ایسا جہیز۔ میرے گھر پہلے ہی بہتیرے ڈھور ڈنگر ہیں، میں یہ کہاں باندھتی پھروں گی۔"

"یا میرے مولا، کتھے پھنس گیا۔" اس نے دونوں مٹھیوں میں بال نوچ ڈالے۔ "خالہ! میں نے کب جہیز کا نام لیا؟"

"تو کیا وہ خود کالی مجھ ہے۔ دیکھ تیمورے! میرا چن ورگا سوہنا پتر ہے، مجھے بہو بھی رج کے سوہنی چاہیے۔"

تیمور نے سرد آہ بھر کے ہاتھ میں تھامی اس "چن ورگے سوہنے" کی فوٹو پہ نظر ڈالی۔ زکوٹا جن سے دُگنی گھنی بھنویں۔ اور ان گھنی بھنوؤں کی باڑ کے نیچے جو سیاہ نکتے تھے، ان کو بغور دیکھنے کے بعد انکشاف ہوتا تھا کہ یہ موصوف کی آنکھیں تھیں، اور اتنا باریک بینی سے ڈھونڈ لینے کے بعد جب پتا چلتا ہے کہ ان آنکھوں کا کردار ٹھیک نہیں، روٹھی روٹھی سی اک دوجے سے منہ پھیرے رہتی ہیں، تب اپنی تلاش پہ خود لعنت بھیجنے کو جی چاہتا ہے۔ موٹے پھولے گال اور ان پہ پرانے مہاسوں کے نشان۔ جن کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ روشن آرا نے اپنے سپوت کا نام "چن" بلاوجہ نہیں رکھا، کچھ سوچ کے ہی رکھا ہوگا۔ شاید چاند کے داغوں اور بیٹے کے چہرے میں کچھ مماثلت محسوس ہوئی ہو۔

"خالہ! میں سچ کہہ رہا ہوں، وہ لڑکی بس آپ کے "چن" کے لیے ہی بنی ہے۔ آپ کے گھر کی رونق بننے کے لائق ہے۔"

"آئے ہائے۔ میرا تو ایک ہی رونق نے دماغ کھا مارا ہے۔"

انہوں نے اوپر لٹکے پنجرے کی طرف اشارا کیا۔ اب کے تیمور بھنا کے اٹھ گیا۔ اس گھر میں مکینوں سے زیادہ ان کے پالتو جانوروں کا راج تھا۔ وہ رٹ رٹ کے تھک جاتا، مگر ہر بار کسی نہ کسی ایک کا نام بھول جاتا۔ ایک بار تو حد ہی ہوگئی۔ ہر لڑکی میں مین میخ نکالنے والی روشن آرا خالہ کو اللہ اللہ کر کے ایک لڑکی بھا ہی گئی۔ بات تقریباً پکی ہونے کو تھی، تیمور نے تو دونوں جانب پیش کیے جانے والے مطالبے بھی سوچ کے رکھ لیے تھے کہ اچانک روشن آرا خالہ کو پتا چلا، لڑکی کے ایک بھائی کا نام راجو ہے اور سوئے اتفاق، خالہ کے پالتو کتے کا بھی نام یہی تھا۔ اب اس حسین اتفاق پہ خالہ کو تو خاص اعتراض نہ تھا، ڈر یہ تھا کہ کہیں آنے والی بہو اسے اپنی ناک کا مسئلہ نہ بنا لے، وہ پچکار پچکار کے اپنے کتے کو بلاتیں اور وہ سمجھتی کہ اس کے بھائی کا نام لے لے کے اسے چڑایا جا رہا ہے، خوامخواہ بدمزگی ہوتی۔

"بیٹھ ناں، کہاں جا رہا ہے؟" اسے کھڑا دیکھ کے روشن آرا خالہ نے کہا۔

"مجھے اور بہت کام ہیں خالہ! آج کل سیزن ہے، دھڑا دھڑ رشتے طے ہو رہے ہیں، منگنیاں، شادیاں ہو رہی ہیں، مجھے فرصت کہاں ہے۔ ایک آپ ہی ہیں جو معاملہ لٹکائے بیٹھی ہیں۔ اب تو لوگ باتیں بنانے لگے ہیں۔"

"کیسی باتیں؟"

"یہی کہ روشن آرا بیٹے کی شادی کرنا ہی نہیں چاہتی۔ کسی پرائی لڑکی کو اپنی سلطنت عالیہ میں شریک نہیں کرنا چاہتی۔ بیٹے کی کمائی پہ اکیلے راج کرنا چاہتی

ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔"

"خاک پڑے ایسی باتیں کرنے والیوں پہ۔ اب ان کی واہی تباہی پہ بوکھلا کے میں اپنے چمن کے لیے ایسی ویسی لڑکی تو نہیں لا سکتی۔"

ادھر کچی دال چھوڑ کے وہ اگلے محلے چلا گیا جہاں پچھلے ہفتے ہی دال گلائی تھی۔

"کہاں ہوتی ہیں آپ آنٹی جی؟"

مخاطب کی پرسنالٹی کے مطابق رشتے جوڑنے میں وہ ماہر تھا۔ روشن آرا اور ان خاتون میں عمر کا زیادہ فرق نہ تھا مگر ان کے ڈائی شدہ تراشیدہ بال، بنی ہوئی بھنویں، شوخ رنگوں کے لباس اور ہر وقت لگی رہنے والی لپ اسٹک دیکھنے کے بعد بھی اگر وہ انہیں خالہ کہہ کے پکارتا تو اسے یہاں دوبارہ داخلے کی اجازت نہ ملتی۔ اس لیے اس نے فہمیدہ خاتون کو بڑے اسٹائل سے فہمی آنٹی کا نام دیا۔

"کتنے فون کر چکا ہوں آپ کو۔ کبھی پتا چلتا قصور گئی ہیں، کبھی خبر ملتی فیصل آباد۔۔۔ خیر تو ہے؟"

"فیصل آباد میرا میکہ ہے تو قصور میں میرے سسرالی ونڈ بانٹتے پھر رہے ہیں۔ اپنی ثانیہ کے لیے اتنا اچھا رشتہ ڈھونڈا ہے تو کیا ان لوگوں کے دل جلانے کے لیے وہاں نہ جاتی۔ اپنے سمدھیانے کی امارت اور اپنے ہونے والے داماد کی وجاہت کے ایسے ایسے قصے سنائے ہیں کہ سب کے سینوں پہ گز گز لمبے سانپ لوٹ گئے۔"

"وہاں تو آپ خوب دھواں پھیلا کے آئی ہیں لیکن پیچھے والوں کا بھی دھیان کر لیا تھا۔ میرے پانچ سو روپے ابھی باقی ہیں آپ کی طرف۔"

"توبہ، بڑے بے اعتبارے ہو تم۔ میں کوئی بھاگ گئی تھی۔"

"اب اس عمر میں آپ کہاں بھاگیں گی اور کس کے ساتھ بھاگیں گی فہمی آنٹی! زیادہ نہیں بس یہی کوئی آٹھ دس سال پہلے ارادہ کرتیں تو میں ہی تیار ہو جاتا۔"

"چل ہٹ بدتمیز۔" وہ شرما گئیں۔ "دس سال پہلے بھلا تم کتنے سال کے ہو گے۔ زیادہ سے زیادہ چودہ برس کے یا چلو پندرہ کے۔ کسی کو بھگانے کے قابل ہی کہاں تھے تم اس عمر میں۔"

"یعنی اعتراض صرف میری عمر پہ ہے۔ اپنے اوپر پورا کانفیڈنس ہے کہ دس سال پہلے بھاگ جانے کی ساری کوالیٹیز موجود تھیں۔" اس نے یہ بات زبان سے کہنے کے بجائے دل میں کرنا زیادہ مناسب جانا۔ ابھی پانچ سو بقایا جو رہتے تھے۔

"آپ نے تو مٹھائی کے پیسے تک نہ دیے تھے۔"

"ہم ایک کلو مٹھائی جو دے دی تھی۔"

"تو کون سا اپنے پلے سے دی تھی۔ لڑکے والے شگن کے طور پہ لائے تھے، اس میں سے ہی اندازاً ایک کلو نکال کے شاپر میں ڈال دی۔ اتنی شرم آئی، لفافہ اٹھا کے گھر لے جاتے ہوئے۔"

"اچھا اچھا، شادی ہو لینے دو، ساری کسر نکال دوں گی۔" فہمیدہ نے پانچ سو کے نوٹ کو حسرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

یہ لڑکا اسے خاصا مہنگا پڑا تھا۔ پہلے دو رشتے لایا، اور ہر بار مہمانوں سے زیادہ چائے ناشتہ خود ٹھونس گیا اور فی رشتہ ہزار روپیہ بھی بٹورا۔ آنے جانے کے لیے کرایہ الگ سے۔ شکر ہے تیسرا رشتہ آخری ثابت ہوا مگر بات پکی ہو جانے پہ اس نے ہزار کے بجائے تین ہزار، ایک گرم سوٹ، دو کلو مٹھائی اور پرفیوم کا مطالبہ کیا۔ بڑی مشکل سے تین کے بجائے دو ہزار پہ مک مکا ہوا۔ گرم سوٹ تو نہیں البتہ گھر سے ایک واش اینڈ ویئر شلوار قمیص کا کپڑا نکل آیا، وہی دے کر جان خلاصی کی۔ پرفیوم کے لیے شادی تک کے سہانے وعدے پہ ٹالا۔ اور لڑکے والوں کے ہاں سے آئے پانچ پانچ کلو مٹھائی کے دونوں ٹوکروں میں سے چن چن کے بکواس آئٹم ایک لفافے میں ڈال کر ایک کلو پورا کیا۔ اور وہ جو دو ہزار دینے کا وعدہ ہوا تھا۔ اس میں سے بھی پندرہ سو دے کر پانچ سو "باقی پھر سہی" پہ اٹھا لیے گئے۔ وہ بھی پائی پائی کا حساب رکھنے والوں میں سے تھا۔ چھ بار فون

کرنے یہ بھی نہ ملیں تو خود چلا آیا وصولی کرنے۔

"تیمور بھائی! آپ کو بینک والوں کی اماں بلا رہی ہیں۔" فہمی آنٹی کے چھوٹے بیٹے نے پیغام دیا۔ وہ بیٹ بال اٹھائے باہر سے آ رہا تھا۔ یہ "بینک والوں کی اماں" بھی تیمور کا ہی دیا خطاب تھا۔

اسی گلی کے تیسرے مکان میں' جو اس محلے کا سب سے اونچا مکان تھا' ایک بیوہ مگر بارعب خاتون اپنے تین ہونہار بیٹوں کے ساتھ رہتی تھیں' جو تینوں کے تینوں ہی بینک میں ملازم تھے۔ بڑے والے کا مقدر تو خاندان میں ہی کہیں پھوڑ بیٹھی تھیں' دوسرے کے نصیب میں سیاہی گھولنے کا فریضہ تیمور کو سونپا' جو حال ہی میں اس ذمہ داری سے سرخرو ہو کر سبک دوش ہوا تھا۔ "ان سے کہو میں فارغ نہیں۔"

"وہ کہہ رہی ہیں' ضرور آؤ' بہت ضروری کام ہے۔"

"اب کیا تیسرا والا بھی آنکھوں میں کھٹکنے لگا۔" وہ یہ سوچ کے چلا آیا کہ شاید اب تیسرے کے لیے لڑکی ڈھونڈنے کا کام لگانا ہو ورنہ جس گھر کا کام تمام کر دے۔ یعنی کام پورا ہو جائے' وہاں وہ آنے جانے سے اجتناب ہی کیا کرتا تھا۔

"جی چچی جان! حکم؟" اس نے سفید بے داغ کلف لگا چکن کا سوٹ پہنے بیٹھی بینک والوں کی اماں سے پوچھا۔

"اے لڑکے! یہ بتا کہ یہ "بابر" کون ہے؟" انہوں نے چھوٹتے ہی سوال کیا۔

"بابر..." وہ ذہن پہ زور ڈالنے لگا۔

"ہاں بابر... وہ اکبر کا دادا تھا۔"

"ہیں؟ اکبر...؟ یہ موا کون ہے؟"

"آپ اکبر کو نہیں جانتیں' حیرت ہے اکبر' شہزادہ سلیم کا باپ تھا۔ اب پلیز یہ نہ پوچھیے گا کہ شہزادہ سلیم کون؟ بھئی وہ انار کلی والا۔"

"انار کلی کا ہو یا بھائی' دروازے کا' نج دور... میں اس سلیم کا میرا مطلب ہے' اس موئے اکبر' اف توبہ یعنی اس بابر کا نہیں پوچھ رہی۔ میں اس بابر کا پوچھ رہی ہوں جو ہماری اس نئی نویلی بہو رانی کا کزن ہے۔"

"بس جی' سوال کا جواب تو آپ نے خود دے دیا۔ یعنی کہ یہ والا بابر آپ کے سمدھیانے سے تعلق رکھتا ہے' آپ کے دو نمبر بیٹے' میرا مطلب ہے دوسرے نمبر والے بیٹے کا سالا۔"

"سالا ہے تو سالا بن کے رہے۔ ورنہ ہمیں اچھی طرح بتانا آتا ہے کہ سالوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے۔ کیسی لڑکی ڈھونڈ کے دی ہے تم نے۔ مہینہ بھر ہوا نہیں بیاہ کے آئے ہوئے اور سسرال میں محبت نامے پہنچنے شروع ہو گئے۔" انہوں نے تکیے کے نیچے سے ایک کارڈ نکالا جس پہ آئی مس یو لکھا نظر آ رہا تھا۔

"یہ کل کی ڈاک سے آیا ہے۔ بھئی' ہم ٹھہرے صاف دل و دماغ کے روشن خیال' آزاد طبیعت لوگ... شک کرنا تو ہماری فطرت میں ہی نہیں۔ اس لیے خود کھول کر چیک کرنے کے بجائے سیدھا بہو کے ہاتھ میں دیا۔ اس کے اپنے دل میں چور تھا' اس لیے لفافہ الٹ پلٹ کر دیکھتے ہی بنا میرے پوچھے کہنے لگی۔ "میرا کزن ہے بابر' اس کا کارڈ ہے۔" چلو اس پہ بھی میں نہ کھٹکی' سوچا کہ شادی کی مبارک باد وغیرہ کا کارڈ بھیجا ہو گا۔ اس کے نہانے جانے کے بعد میں نے کارڈ دیکھا' اتنی انگریزی تو مجھے بھی آتی ہے کہ سمجھ لیتی' اس بابر نام کے مسٹنڈے نے اس کی یاد میں بے قرار ہو کے یہ محبت نامہ بھیجا ہے۔ اتنی یاد آتی ہے اب' تو پہلے بیاہ کر جانے ہی کیوں دیا۔ خود شادی کر لیتا' ہم عزت دار لوگ تو نہ پھنستے۔ میں بس جانے ہی والی تھی یہ کارڈ لے کے دلہن کے میکے' ذرا آمنے سامنے بات ہوتی۔ انہیں بھی پتا چلتا اپنی صاحبزادی کے گنوں کا۔ بڑے نمازی' مولوی بنے پھرتے ہیں اس کے باپ چچا۔"

تیمور کو اصل بات کا علم تو نہ تھا مگر اس خاندان کی نیک نامی اور شرافت کا پورا یقین ضرور تھا۔ مردم شناسی کا دعوا تو نہیں البتہ "صورت شناسی" کا دعوا ضرور تھا اسے۔ کسی بھی لڑکی کو دیکھ کے اور دو چار باتیں کر کے

وہ اس کے کردار و شخصیت کے بارے میں حتمی رائے دے سکتا تھا۔ یہ صلاحیت رشتے ناتے طے کرواتے ہوئے خوب کام آتی تھی۔ اور وہ بینک والوں کی اماں کی اس ایک ماہ پرانی بہو کے چال چلن پہ ایسا غلط الزام برداشت ہی نہیں کر سکتا تھا۔

"آپ کو ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی۔ آپ نے امبر بھابھی سے پوچھا تو ہوتا۔"

"اس سے پوچھتی ہے میری جوتی۔ میں اپنے رتبے سے نیچے کسی سے بات کرنا پسند نہیں کرتی۔ اب بات ہوگی تو اس کے مولانا باپ سے اور حاجن ماں سے۔ بڑا دین دار بنے پھرتے ہیں۔"

"چلیں اماں۔" امبر سیاہ گاؤن میں ملبوس، حجاب لپیٹے اپنے کمرے سے نکلی۔

"دیکھا... دیکھا کتنی بے قرار ہے میکے جانے کو۔ میرے سے پہلے تیار ہو کے آگئی ہے۔" انہوں نے اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لیے تیمور کو متوجہ کیا۔

"اماں! آپ نے خود ہی تو کہا تھا تیار ہونے کو کہ آپ میرے ساتھ میرے میکے جانا چاہتی ہیں۔ ورنہ میں تو ابھی پچھلے ہفتے ہو کے آئی تھی اور ابھی مزید دس بارہ دن تک میرا جانے کا کوئی ارادہ نہ تھا کیونکہ میرے ابا جان بیٹیوں کا میکے میں زیادہ آنا جانا پسند نہیں کرتے۔"

"ہاں، اللہ اللہ کر کے جو جان چھوٹتی ہے۔" وہ بڑبڑائیں۔

"میں تو بابر کے بلانے پہ بھی نہیں گئی۔ حالانکہ وہ صرف میری خاطر وہاں آیا تھا۔ لیکن جس دن وہ لاہور آیا، اس سے ایک دن پہلے ہی تو میں میکے سے آئی تھی۔ اگلے ہی دن کیسے چلی جاتی۔ بے چارہ اداس ہو کے واپس چلا گیا، شاید ناراض بھی ہو۔ خیر میں منا لوں گی۔"

"توبہ توبہ..." اماں نے نسکتے بیٹے مگر تیمور چوکنا ہو گیا۔ اگر امبر کے دل میں کھوٹ ہوتا تو وہ بابر نام کے اپنے کزن کا ذکر کرتی ہی کیوں۔ اور وہ بھی اس بے تکلفی سے۔

"بابر؟ یہ بابر کون ہے بھائی؟"

"میرے ماموں کا بیٹا! سرگودھے والے ماموں کا۔ شادی پہ نہیں آسکا تھا، تب اس کے پیپرز ہو رہے تھے۔"

"کس چیز کے پیپرز؟"

"اسکول کے، وہ اب نویں میں آگیا ہے، ماشاءاللہ بہت ذہین ہے ہر سال اپنی کلاس میں فرسٹ آتا ہے۔ مجھ سے تو اس کا خاص پیار ہے۔ پہلے چھوٹے ماموں یہیں لاہور میں رہتے تھے۔ بابر تو تقریباً میری گود میں ہی بڑا ہوا ہے۔ میں اپنے گھر کی سب سے چھوٹی بیٹی ہوں۔ اپنے سے چھوٹا کوئی بہن بھائی کبھی دیکھا ہی نہیں۔ دس سال کی تھی، تب بابر پیدا ہوا۔ سارا سارا دن اٹھائے پھرتی تھی۔ چلیں اماں! دیر ہو رہی ہے، ان کے آفس سے آنے سے پہلے پہلے لوٹنا بھی ہے۔"

"نہیں..." بہت مشکل سے انہوں نے حلق میں سے مری مری سی آواز نکالی۔ "واقعی دیر ہو گئی ہے پھر کبھی چلیں گے۔"

"شکر کریں، ابھی دیر نہیں ہوئی تھی۔" امبر کے دوبارہ اپنے کمرے میں جانے پہ تیمور نے انہیں جتلایا۔ وہ خوامخواہ اپنے کرتے کے دامن میں کچھ ڈھونڈنے لگیں۔

* * *

"آگئے تم؟" امی نے کچن کی کھڑکی سے جھانک کے دیکھا۔ وہ تھکا تھکا سا جوگرز اتار رہا تھا۔

"کہاں خجل خوار ہوتے رہتے ہو؟"

"شوق نہیں ہے مجھے۔ مجبوری ہے۔" ساری شیریں بیانی وہ گھر کی دہلیز کے باہر رکھ کے آتا تھا۔

"سو سو روپے کے لیے جوتیاں چٹخانا پڑتی ہیں۔ ایک محلے سے دوسرے محلے پریڈ کرنا ہوتی ہے، بسوں، ویگنوں، رکشوں کے دھکے کھانا ہوتے ہیں اور بات بے بات کی بحث کی شوقین عورتوں کے ساتھ مغزماری کرنا ہوتی ہے۔"

"تو کس نے مشورہ دیا تھا یہ سب کرنے کو۔" وہ پہلے ہی بیٹے کے اس مشغلے سے عاجز تھیں۔ "کوئی ڈھنگ کا کام بھی تو کر سکتے تھے۔"

"یہاں ایم اے ایم بی اے والے ڈگریاں ہاتھ میں لیے بے کار پھر رہے ہیں میں تو پھر بھی بی اے دو بار فیل ہوں۔"

"ڈگری والی نوکری کے علاوہ اور بہتیرے کام ہیں۔ بہت عزت والے نہ سہی مگر اس کام کے مقابلے میں تو گوارا ہیں جو تم کرتے ہو۔ صادقہ کا لڑکا کسی پیزا بنانے والے ہوٹل میں کام کرتا ہے' لوگوں کے گھر آرڈر پہ پیزا اور برگر پہنچاتا ہے۔ پانچ ہزار ماہوار تنخواہ ہے' کھانا فری اور موٹر سائیکل میں پیٹرول بھی وہ ڈلواتے ہیں۔ تم بی اے نہ کر سکے' اس بدنصیب سے تو ایف اے تک نہ ہو سکا پھر بھی کام مل ہی گیا۔ جتنی محنت تم کرتے ہو' اس سے تو کم ہی کرتا ہے مگر چار لوگوں میں بیٹھ کر عزت سے بتا تو سکتا ہے کہ کیا کام کرتا ہے۔ تم سے کوئی پوچھے تو کیا کہو گے کہ میں رشتے کراتا ہوں۔" وہ آٹا گوندھتے ہوئے زور زور سے بول رہی تھیں۔ ساری بھڑاس منہ کے رستے طعنوں کی شکل میں نکل رہی تھی اور اس کا کچومر بنانے کی خواہش آٹے پہ مکے مار کے پوری ہو رہی تھی۔ نتیجتاً چھ سات منٹ میں ہی وہ پُرسکون اور ٹھنڈی ہو گئیں۔ اس کے لیے ٹرے میں کھانا لگا کر لاتے ہوئے وہ اب خاصی نارمل تھیں۔

"لو' تمہاری پسند کا آلو انڈے کا سالن ہے۔"

"آپ سے کس نے کہا' مجھے یہ ملغوبہ پسند ہے۔"

"ابھی اس دن تو ٹوٹ پڑے تھے اسی ملغوبے پہ' جو برابر والوں کے ہاں سے آیا تھا۔ گھر کا پکا سالن تم نے چھوا تک نہ تھا۔" انہوں نے یاد دلانے کی کوشش کی۔

"یاد رہے کہ اس دن آپ نے مونگروں کی سخت بدبودار قسم کی بھجیا بنائی تھی اور دوسری بات یہ کہ اس دن میں نے ناشتہ تک نہ کیا تھا' ایک اور اہم وجہ یہ بھی تھی کہ میری جیب بالکل خالی تھی' میں بازار سے نان پکوڑے تک لینے کے قابل نہ تھا۔ اس لیے پڑوسیوں کا بھیجا وہ آلو انڈے کا ہلدی سے بھرپور سالن میرے لیے من و سلویٰ کے برابر تھا۔ لیکن آج میرے پاس پانچ سو روپے کی "دیہاڑی" ہے۔ رات کو ایک ایسے ولیمے کی شاندار ضیافت بھی اڑانا ہے جس میں ۳ فیصدی میرا ہاتھ ہے' میری سرتوڑ کوششیں شامل نہ ہوتیں تو ان موصوف کا ولیمہ کیسے ہوتا جن کا اب تک عقیقہ نہیں ہو سکا۔ اس لیے آج میرے سامنے یہ شوربے میں تیرتے آلو انڈے ہرگز نہ لائے جائیں۔"

"رات کو ولیمہ ہے۔ تو کتنے بجے تک نکلو گے گھر سے؟" اس کی بقایا بکواس نظرانداز کرتے ہوئے انہوں نے کچھ سوچ کے پوچھا۔

"کہتی ہیں تو ابھی نکل جاتا ہوں۔" وہ چڑ کے دوبارہ جوگرز میں پیر پھنسانے لگا۔

"توبہ' ہر وقت جلتے توے پہ بیٹھے رہتے ہو۔ میرا پوچھنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ تم سات بجے تک گھر پہ تو ہو گے؟"

"ظاہر ہے' اب ایسا اتاؤلا بھی نہیں ہو رہا میں ولیمے کے کھانے کا' ہر ہفتے ہی ایسی کسی شادی کا دعوت نامہ آتا ہے۔ اور اگر جلدی چلا بھی گیا تو کھانا جلدی تھوڑا ہی ملے گا۔ مہندی کا فنکشن ہوتا تو جلدی جانے کی کوئی تُک بھی ہوتی' ذرا شغل میلہ۔"

"چپ ہو جاؤ تیمور۔" انہوں نے ہاتھ جوڑے۔ "تمہیں بھانت بھانت کی عورتوں کے ساتھ زنانہ مذاکرات کر کر کے بے تکان بولتے رہنے کی عادت ہو گئی ہے' اسی طرح مجھے بھی اکیلے رہ رہ کے خاموش رہنے اور خاموشی برداشت کرنے کی عادت ہو گئی ہے۔ تمہارا چھپر پھاڑ کے بولنا مجھ سے سہا نہیں جاتا۔ مطلب کی بات سنا کرو اور مطلب کی کیا کرو۔ بڑا احسان ہو گا۔"

"چلیے' کہیے مطلب کی بات پھر گلہ کریں گی کہ دنیا بڑی مطلبی ہے۔"

"بھولی کا فون آیا تھا حاجی صاحب کے ہاں۔"

"یہ کون محترمہ ہیں؟"

"میرے چچا سائیں کی بیٹی ہے۔ یعنی کہ میری چاچی کی بھانجی' اس کی سگی بہن کی سگی اولاد' میری چچا زاد

بہن ثریا قینچی کی خالہ زاد بہن۔۔۔۔ شمع بھولی۔"

"واہ' بڑا قریبی رشتہ ہے' خیر کیا فرمایا ان محترمہ نے کہ میرا سات بجے سے پہلے باہر نکلنا ستاروں کے مطابق ٹھیک نہیں۔"

"وہ آج شام سات بجے کی ٹرین سے لاہور آ رہی ہے۔ میرے ہاں ہی ٹھہرے گی۔"

"وہ کس حساب میں؟ ایسی کوئی قریبی یا سگی رشتے داری تو ہے نہیں' جو ہم مہمان نوازیاں کرتے پھریں۔"

"تم اپنے ددھیال والوں کی طرح آنے آنے کے پیچھے مرتے رہنا' پیار محبت اور خلوص کی قدر نہ جاننا۔ رشتے داری سے بھی بڑھ کے ایک چیز ہوتی ہے دوستی۔ میرے میکے میں مشترکہ خاندانی نظام تھا۔ میرے ابا' تایا' دونوں چچا سب اپنے اپنے کنبے کے ساتھ مل کے ایک ہی بڑے سے گھر میں رہتے تھے۔ سب کے ملنے جلنے والے' پورے گھر کے مہمان ہوا کرتے تھے۔ تب چھٹیوں میں اکثر شمع بھولی اپنی خالہ یعنی میری چاچی کے پاس رہنے آتی تھی' ہم دونوں ہم عمر تھیں' جلد ہی ہم میں بہناپا ہو گیا' ویسے بھی ثریا قینچی کے ساتھ نہ میری بنتی تھی نہ اس کی۔ ایسے ہی تو اس کا نام قینچی نہیں پڑ گیا تھا۔ میں اور شمع بھولی' یوں سمجھو ایک جان دو قالب تھے۔ شادی کے بعد ملنا جلنا کم ہو گیا۔ پھر بچے بڑے ہو گئے۔ اور دس سال پہلے جب تمہارے ابا کی وفات کے بعد ہم لاہور آ کے بس گئے تو بس ملنا جلنا برائے نام رہ گیا۔ اب گاؤں میں میرا کون رہا تھا جو ملنے جاتی۔ عرصے بعد وہ آ رہی ہے' میرا مارے خوشی کے برا حال ہے اور تم یہ اعتراض کر رہے ہو کہ وہ ہماری لگتی کیا ہے۔ ارے جو لگتے ہیں' وہ کتنا پوچھ لیتے ہیں ہمیں۔ گاؤں میں عزت سے گزر بسر ہو رہی تھی۔ تمہارے چچا نے یہاں کاروبار شروع کیا تو تمہاری دادی کو لے کے لاہور ہی اٹھ آئے۔ میں بیوہ عورت' سوچا تم اپنوں سے دور نہ ہو جاؤ' باپ کے بعد دوسرے رشتوں سے بھی محروم نہ ہو جاؤ' تمہیں لے کر ان کے پیچھے پیچھے لاہور کی مہنگائی میں پسنے کے لیے پہنچ گئی۔ ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے کوئی پوچھتا تک نہیں۔ ایسے میں کوئی خلوص کا مارا اتنی دور سے آ رہا ہے تو اسے غنیمت جانو۔"

"کون جانے' وہ خلوص کے ٹوکرے برسانے آ رہی ہیں یا کسی مطلب سے۔"

"تمہارے دل میں تو میل بھرا ہے۔ اس بیچاری کو ہم سے کیا مطلب ہو گا۔ اس بھلی مانس کو مطلب نکالنا آتا تو اسے لوگ بھولی کہہ کر نہ پکارتے۔"

"ہاں۔ کچھ عجیب سا ہی نام ہے' بھولی۔ بھولا پہلوان کا نام تو سنا تھا' انہیں بھی پہلوانی سے شغف تو نہیں رہا۔"

"چپ بد تمیز۔ خالہ لگتی ہیں وہ تمہاری' نام تو ماں باپ نے بڑا بھلا سا رکھا تھا۔ شمع بچپن سے ہی بہت سیدھی سادی تھی۔ دوسرے لفظوں میں بدھو کہہ لو۔ اور اکثر اس کی بعض حماقتوں اور بدحواسیوں پہ اسے چڑ کے بڑے بدھو بھی کہہ دیا کرتے تھے حالانکہ بے وقوف ہرگز نہ تھی۔ گھرداری میں طاق' سینے پرونے میں ماہر' اچھی بھلی سیانی' بس دنیاداری اور چالاکیاں نہیں آتی تھیں اور قسمت دیکھو' بیاہ کے جہاں گئی' وہاں ایک سے بڑھ کے ایک چالاک و عیار بھرا ہوا تھا۔ اللہ بخشے اس کی ساس بڑی مردمار اور جنگجو عورت تھی۔"

"تو پھر اللہ بھلا کیوں بخشے۔ یہ آپ جیسے لوگ ہیں جو ظالم کے حق میں بھی مغفرت کی دعائیں مانگ مانگ کے انہیں دیدہ دلیر کرتے ہیں۔ کہ جی آخر نیک لوگوں کی دعا سے بخشا تو جانا ہی ہے تو پھر کیوں نہ دل کھول کے اندھیر مچایا جائے۔"

"مرنے والے کو کون برا کہتا ہے' ہاں اس کی تینوں نندیں اب تک دھرتی پہ بوجھ ہیں' ان کے کرتوت کسی روز فرصت میں تمہیں تفصیل سے سناؤں گی۔ بغیر قطع برید کے۔"

"اور اگر تب تک ان میں سے بھی کوئی ایک آدھ لڑھک گئی تو یہ حسرت' حسرت ہی رہے گی کیونکہ مرنے والی کو آپ نے اللہ بخشے کہہ کر بری الذمہ کر دینا ہے۔"

"بات کو کہاں سے کہاں لے جاتے ہو۔ تمہارا قصور نہیں، جو کام پکڑ رکھا ہے اس کا کچھ اثر تو آتا ہے۔ میں یہ کہہ رہی ہوں۔ شمع پہلی بار لاہور آ رہی ہے ورنہ بھلی عورت اپنی وجہ سے کبھی کسی کو زحمت نہیں دیتی۔ رکشہ پکڑ کے آجانا تھا اس نے۔ میں نے ہی منع کیا کہ میرا بیٹا تمہیں لینے آجائے گا، تم کہاں جوان جہان لڑکی کے ساتھ خوار ہوتی پھرو گی۔"

"جوان جہان لڑکی۔۔۔؟ لاہور میں پہلے کیا جوان جہان لڑکیاں کم ہیں، جو وہ ایک اور لے کے آ رہی ہیں۔ آپ جانتی ہیں اس وقت لاہور شہر کا سب سے بڑا اور اہم مسئلہ جوان جہان لڑکیاں ہیں جن کو ٹھکانے لگاتے لگاتے مجھ جیسوں کو دانتوں تلے پسینہ آجاتا ہے۔"

"یہ صرف لاہور یا اس جیسے بڑے شہروں کا ہی مسئلہ نہیں، اب چھوٹے قصبوں اور دیہاتوں میں بھی یہ مسئلہ خطرناک حد تک پھیل گیا ہے۔ پہلے دیہاتوں میں لڑکیاں خاندان، ذات، برادری میں کھپ جایا کرتی تھیں۔ ہمارے وقتوں میں لڑکا لڑکی کا ایک دوسرے کو دیکھنا تو بڑی دور کی بات تھی، بعض اوقات لڑکے کی ماں تک نے لڑکی نہ دیکھی ہوتی تھی، نائن رشتہ لاتی۔۔۔ یا خاندان کا کوئی اور بزرگ کسی دور پرے کے رشتے کی بچی کا نام منتخب کرتا اور ہاں کر دی جاتی کہ کسی بڑے نے فیصلہ کیا ہے تو ٹھیک ہی کیا ہوگا۔ اب تو خاندان کی کنواری بالشت بھر بچیاں بھی جب تک ہونے والی بھابھی، یا چچی پسند نہ کر لیں، ہاں نہیں کی جاتی۔ بھولی کی تو بھی اب تک بیٹھی ہے، ماں میں چالاکی ہوتی تو خاندان میں ہی کہیں کھپا چکی ہوتی۔ مگر اس بیچاری میں اتنی عقل کہاں۔"

"تو لاہور کیا وہ عقل سیکھنے آ رہی ہیں؟" وہ ان بن بلائے مہمانوں سے جھلایا ہوا تھا۔

"جو بھی کرنے آ رہی ہیں، تمہیں کیا تکلیف ہے؟ تمہیں جتنا کہا ہے، اتنا کرو۔ وقت پہ اسٹیشن جا کے انہیں لے آؤ۔"

"میں انہیں پہچانوں گا کیسے؟ کوئی تصویر وغیرہ ہے؟" عین وقت پہ کمال کا عذر مل گیا۔

"ہاں ہے تو سہی۔ منیر کے بیاہ پہ ہم دونوں نے اکٹھے ایک تصویر کھنچوائی تو تھی۔"

"کیا؟ منیر ماموں کی شادی پہ؟ خدا کا خوف کریں امی! اب تو منیر ماموں کا بڑا بیٹا بھی شناختی کارڈ کے لیے تصویر بنوا چکا ہوگا۔ بھولی خالہ کیا آبِ حیات پی کے بیٹھی ہیں جو اب تک ویسی کی ویسی ہوں گی۔"

"کمال کے حجت باز ہو تم۔ تم بس اسٹیشن پہنچ جاؤ۔ پلیٹ فارم نمبر دو پہ سات بجے آنے والی تیز گام کی بوگی نمبر آٹھ کے آگے کھڑے ہو جانا۔ تمہاری تصویر میں نے ابھی پچھلے سال بھجوائی تھی گاؤں، ضرور بھولی نے بھی دیکھ رکھی ہوگی، آخر اس کی بچپن کی سہیلی کے بیٹے کی تصویر تھی۔ وہ خود ہی تمہیں پہچان لے گی۔ اور بالفرض ایسا نہ بھی ہوا تب بھی اتنی عقل تو ہے تم میں کہ ایک ماں کی عمر کی خاتون، جس نے ایک سیدھی سادی گاؤں کی لڑکی کا ہاتھ تھام رکھا ہو اور جو آس پاس کسی شناسا چہرے کی تلاش میں نظریں دوڑا رہی ہو، اسے تم اپنی بھولی خالہ سمجھ کے گھر لے آؤ۔"

"ہاں اور گھر لا کے جوتیاں کھاؤں کہ یہ کس کٹنی کو اٹھا لائے، پھر لوٹ کے چلتی بنے گی۔ اف۔۔۔ ایک تو اسٹیشن جانا ویسے ہی اذیت ناک، اوپر سے مہمان بھی وہ جو آپ کے لیے اجنبی ہو۔ ہمارا تو جب بھی کوئی مہمان آیا ٹرین سے یا لال پیلی بڑی سی بس سے۔ اسٹیشن جا کے ریسیو کرو یا پھر لاری اڈے، کاش ہمارا بھی کوئی عزیز جہاز سے آئے ہم ٹھاٹھ سے اسے لینے ایئرپورٹ جائیں۔"

"آیا تو تھا۔ یاد نہیں، تمہارے تاؤ جی اور تائی جی حج کر کے آئے تھے تب سارا خاندان ہوائی اڈے گیا تھا۔ میں نے بھی دو پھولوں کے ہار کے ساتھ دو دو روپے کے نوٹوں والے بھی دو ہار منگوائے تھے۔ ہا۔۔۔ ہا۔۔۔ کیا زمانہ تھا، ایک روپے اور دو روپے کے بھی نوٹ ہوا کرتے تھے۔ نوٹ کا رعب ہی اور ہوتا ہے، کڑکتا۔۔۔ کرارا۔۔۔ اب تو پانچ روپے کا بھی سکہ نکل آیا ہے، ساری وقعت ہی ختم کر کے رکھ دی ہے پانچ روپے کی۔ خیر تو میں کیا کہہ رہی تھی، تم خود ہی نہیں گئے اپنے تایا، تائی کے

استقبال کو ورنہ حج سے آنے والوں سے ملنے جانے کا بڑا ثواب ہے۔"

"مگر امی! گاؤں سے آنے والوں کو ریسیو کرنے میں تو کوئی ثواب نہیں۔" وہ کراہا۔

لیکن اس کا کراہنا، واویلا کرنا سب بے کار گیا۔ آخر سوا چھ بجے اسے گھر سے نکلنا ہی پڑا۔

حیرت انگیز طور پہ ٹرین پورے سات بجے پلیٹ فارم پہ آ کے رک گئی۔ وہ اترنے والیوں میں سے کسی بوکھلائی ہوئی عمر رسیدہ خاتون کو تلاش کر رہا تھا، جن کے ساتھ ایک ینگ پینڈو رشیدن، مہراں یا رجو ٹائپ لڑکی بھی ہو۔ بالآخر اس کی عقابی نگاہوں نے گوہر مقصود ڈھونڈ ہی نکالا۔ سبز کریپ کے جوڑے پہ پیلے اور سرخ بڑے بڑے گلاب کے پھول بنے تھے، چائنا سلک کا دوپٹہ پیلا اور سرخ رنگا ہوا تھا جس کے کناروں پر بڑا ول لگا کے سبز رنگ کے کروشیے کی بیل بنی گئی تھی۔ پیلا پراندہ دور سے لشکارے مار رہا تھا۔ ناک میں بڑا سا "کوکا" ہونٹوں پہ تیز رنگ کی لپ اسٹک، ریشمی کپڑوں میں پسینے میں نہائی اس ہونق سی لڑکی کا حلیہ پکار پکار کے کہہ رہا تھا۔ "میں ہوں چک فلانے فلانے کی تحریہ پیشکش۔" اس لڑکی کو کسی گائے بھینس کی طرح گھسیٹ کر کھینچتی یہ بڑی بی بھی بھولی خالہ کی اصطلاح پہ سو فیصد پورا اترتی تھیں۔ رنگ اڑا نسواری برقعہ، کھچڑی بال، بدحواس سے تاثرات سے سجا چہرہ، غیر متوازن چال۔

"بھولی خالہ......" وہ محبت اور لاڈ کا غیر ضروری مظاہرہ کرتے ہوئے ایک باآواز بلند نعرے کے ساتھ ان سے لپٹ گیا۔

"اوئی اللہ......" کہہ کے وہ ہری، لال اور پیلی لڑکی بدک کے پیچھے ہٹی، دوپٹے کا پلو اس کے دانتوں تلے آگیا۔

"اچکے، لفنگے تجھے میں بھولی نظر آتی ہوں۔ میری شکل پہ نہ جائیو، دن میں تارے دکھا سکتی ہوں۔" اس کے ساتھ ہی ان خاتون نے اپنی کالی بدشکل سی چھتری کا دستہ اس کے سر پہ دے مارا اور اسے حقیقتاً "دن میں تارے ہی نہیں بلکہ پورا نظام شمسی صاف دکھائی دینے لگا۔

"مریخ، مشتری، عطارد۔" وہ سر پہ ہاتھ رکھے آنکھیں درد کی شدت سے موندے ان سیاروں کو دریافت کر رہا تھا جو بند آنکھوں کے پیچھے پھدک پھدک کے سامنے آ رہے تھے۔

"تم لاہوریوں کو باہر سے آنے والا ہر بندہ بھولا ہی لگتا ہے، ہمارے چک میں بھی بڑا بڑا سیانا بندہ ہوتا ہے، تمہاری ہمت کیسے ہوئی مجھے بھولی کہنے کی۔ میں تو ساری برادری میں سیانی بوا کے نام سے مشہور ہوں۔ ساری طلاقیں میں کراتی ہوں، ہر جوڑا اپنے اپنے لڑائی جھگڑے لے کے میرے پاس ہی آتا ہے۔ تم مجھے بھولی سمجھ کے لوٹنے لگے تھے؟"

"توبہ کریں خالہ! میں تو آپ کو گھر لے جانے آیا تھا، رہا بھولی کہنے کا سوال تو یہ میری والدہ محترمہ کی پھیلائی ہوئی ڈس انفارمیشن کا نتیجہ ہے۔ ہو سکتا ہے، وہ جب آپ سے آخری بار ملی تھیں تب آپ کو زمانے کی ہوا نہ لگی ہو، آپ واقعی سچ مچ کی بھولی ہوں۔ اب وہ کیا جانیں، اس بارہ سال میں ادھر کیا انقلاب آچکا ہے۔"

"ہوئے تو ہے کون، وچولنوں (رشتے کرانے والی عورتیں) کی طرح باتیں بگھارتا جا رہا ہے۔" وہ ذرا بھی نرم پڑنے پہ تیار نہیں تھیں۔ دوسری طرف تیموران کی قیافہ شناسی کا دل سے معترف ہو گیا۔

"کیا صحیح پہچانا خالہ! آپ نے۔ اب مجھے یقین آگیا، آپ بھولی نہیں رہیں۔"

"پھوپھی! یہ کس کے ساتھ کھاتہ کھول کے بیٹھی ہو؟" پشت سے آتی اس آواز پہ لال، پیلی اور ہری نے دوبارہ دوپٹہ دانتوں تلے دبایا اور ایک اور "ہائے اللہ" کہہ کے دہری ہونے لگی۔ تیمور بھی متوجہ ہوا۔ ٹیڈی پتلون میں پھنسا ہوا وہ پچیس چھبیس سال کا نوجوان بڑے کالروں والی جامنی شرٹ کے اوپر کے بٹن کھولے، بے شک کسی پھوپھی سے مخاطب تھا مگر لفنگی نظریں اس ٹریفک کے اشاروں سے متاثرہ لڑکی پہ

نوکس تھیں جو بل کھا کھا کر نہیں تھک رہی تھی۔

"آ گیا تو شینخو! یہ ٹیم ہے تیرے پہنچنے کا۔"

"او ہو پھوپھی! شینخو نہیں، شاہ رخ کہو شاہ رخ۔" اس نے سرخ مفلر گردن میں گھماتے ہوئے بڑے اسٹائل سے کہا۔

"وے تو کس رخ سے شاہ رخ لگتا ہے۔ تیرے سے سوہنے تو ہمارے پنڈ کے مصلیوں کے منڈے ہوتے ہیں۔" اسے مکمل طور پہ نظر انداز کر کے وہ جنگجو خاتون اور ہری پیلی سرخ دوشیزہ، شینخو کے پیچھے پیچھے چل پڑیں تو اپنے خود کو یقین دلانا پڑا کہ یہ اس کی مطلوبہ خالہ نہیں تھیں۔ گھوم کے پلیٹ فارم پہ نظر دوڑائی تو چکرا کے رہ گیا۔ ٹرین سے اترنے والے مسافر بھیڑ کا حصہ بن چکے تھے جبکہ اس وقت ٹرین پہ چڑھنے والے مسافروں کے درمیان کھینچا تانی اور دھکم پیل ہو رہی تھی۔

"نکل گئیں ہاتھ سے۔۔۔ چہ۔۔۔ چہ۔۔۔ بے چاری بھولی خالہ اور ان کی جوان جہان لڑکی۔" وہ تاسف سے سر ہلاتا پلیٹ فارم سے نکلنے لگا۔ اپنے تئیں وہ یہ سوچ کر ان پہ افسوس کر رہا تھا کہ وہ دونوں اس وقت نجانے کہاں بھٹک رہی ہوں گی۔

"اللہ تعالیٰ مدد کرنا ان کی۔ اور کچھ نہیں تو ان کے دل میں۔۔۔ نہیں دماغ میں اتنی عقل ہی ڈال دینا کہ وہ بجائے اتنے بڑے شہر میں خجل ہونے کے، واپسی کی ٹکٹ کٹا کے اپنے چک چلی جائیں۔ واہ پکوڑے۔"

پکوڑوں کے اسٹال پہ رک کے وہ اپنا غم غلط کرنے لگا۔ اخبار کے ٹکڑے پہ گرما گرم کرکرے پکوڑے رکھے وہ اپنی دھن میں جا رہا تھا جب اپنا نام سن کے چونکا۔

"تیمور۔۔۔ تم تیمور ہو ناں بیٹے؟" اس شائستہ آواز پہ وہ پلٹا۔ بک اسٹال کے نزدیک بادامی رنگ کی بڑی سی چادر میں خود کو لپیٹے، چھوٹے چھوٹے کاسنی پھولوں والے سفید لباس میں ملبوس وہ خاتون صورت سے ہی بڑی مشفق اور مہربان لگ رہی تھیں۔ اثبات میں سر ہلاتا وہ ان کی جانب بڑھا۔

"میں شمع ہوں، تمہاری والدہ، زبیدہ کی رشتے دار اور تمہاری خالہ، تمہارے گاؤں سے آ رہی ہوں۔"

"بھولی خالہ!" اس بار نعرہ لگا کے ان سے لپٹتے ہوئے اس نے یہ اطمینان کر لیا تھا کہ ان کے ہاتھ میں چھتری یا کوئی اور ایسا سامان تو نہیں جسے بوقت ضرورت ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جا سکے مگر وہ اپنے ہاتھ میں موجود پکوڑوں کو بھول گیا جن کا تیل خالہ کی بادامی چادر کو داغدار کر گیا۔

"دیکھا ناز! تم ایسے ہی گھبرا رہی تھیں، میں نے کہا تھا ناں زبیدہ ہمیں لینے کے لیے کسی کو نہ بھیجے۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔"

اب کے تیمور نے جوان جہان لڑکی کی موجودگی نوٹ کی۔ اپنی ماں جیسی ہی چادر میں سلیقے سے اپنا آپ چھپائے وہ بائیس تئیس سال کی سنجیدہ صورت لڑکی اسے پہلی نظر میں ہی مشکل کیس لگی۔ اپنے پیشے کے لحاظ سے وہ ہر لڑکی اور ہر لڑکے کو کیس کہنے پہ مجبور تھا۔ وہ لڑکیاں جو خوبصورت ہونے کے ساتھ ساتھ ذہین، سگھڑ، تعلیم یافتہ اور خوش اخلاق بھی ہوتی تھیں اور جن کا اچھا فیملی بیک گراؤنڈ اور بھاری جہیز ملنے کی امید ہوتی، انہیں وہ آسان ترین کیس کہا کرتا۔ ایسی لڑکیوں کے لیے رشتے پٹاپٹ برسا کرتے اور اس جیسی لڑکی جو شکل سے ہی سرکاری اسکول کی استانی لگتی ہو، ایک سادہ لوح بیوہ عورت کا کل اثاثہ ہو اور کسی پسماندہ گاؤں سے تعلق رکھتی ہو، بلاشبہ ایک مشکل کیس کہلائی جا سکتی ہے۔

☆ ☆ ☆

"یہ میں کیا سن رہی ہوں زبیدہ! تمہارا لڑکا وچولن بن گیا ہے۔" اگلے ہی روز بھولی خالہ خاصی سراسیمہ ہو کے دریافت کر رہی تھیں۔

"وچولن نہیں خالہ! وچولا۔۔۔ بلکہ میرج ایجنٹ یا میچ میکر کہیے۔"

"تم جو بھی انگریزی نام دو، کام تو وہی ہے۔ اول تو یہ کام خرانٹ سی عورتوں کا ہے اور ہمارے گاؤں میں جو

مرد اس کام میں ہاتھ ڈالتے ہیں' وہ عموماً "نائی" ہوتے ہیں۔ لڑکے! تم نے تو پڑھ لکھ کے گنوایا۔ اپنے خاندان کا نام ڈبو دیا۔"

"نیک کام کر رہا ہوں۔ لوگوں کی دعائیں لیتا ہوں' خاندان کا نام کیسے ڈبو دیا۔ رہا پڑھے لکھے ہونے کا سوال تو خالہ! آج کل بی اے تھرڈ ڈویژن کو کون پوچھتا ہے۔"

"تو تعلیم میں دلچسپی نہ لینا آپ کا قصور تھا نہ کہ زمانے کا۔" وہ کافی دیر سے چپ بیٹھی تھی' اب بول اٹھی۔

"دل لگا کے پڑھتے' اچھی سی ڈگری لیتے' کیا تب بھی اچھی ملازمت نہ ملتی۔"

"یہ آپ کبھی وقت نکال کے ان سے پوچھیے گا جو دل لگا کر پڑھنے کے بعد موٹی موٹی ڈگریاں لیے پھر رہے ہیں۔" تیمور کو اس کی دخل اندازی بری لگی۔

"چلیں چھوڑیں یہ ساری باتیں خالہ! آپ مجھے بس یہ بتائیں کہ آپ کا نام بھولی کیسے پڑا؟"

"اللہ بخشے میری دادی میری سادگی پہ مسکرا کے میرے سر پہ چپت لگا کے مجھے بھولی کہا کرتی تھیں ورنہ اللہ بخشے میرے ابا جی نے تو بڑے پیار سے میرا نام شمع رکھا تھا۔ اپنے وقت کے لحاظ سے بڑا نیا نیا سا نام تھا۔ تب کہاں ہوتے تھے عورتوں کے ایسے نام۔ خود میں جب بیاہ کر سسرال گئی تو میری ساس نندوں کے نام بڑے جلالی اور مردانہ سے تھے جیسے کسی مرد کا رکھتے رکھتے بالکل آخری وقت میں مناسب ترمیم کر کے عورت کا رکھ دیا ہو۔ ساس کا سرداراں' نندوں کے مختاراں' شوکت بی بی اور سلطانہ تھے۔ اسی لیے تو میرا نرم و نازک' اجلا سا نام ان کو ہضم نہ ہوا۔"

"وہ بھی آپ کو بھولی کہہ کے بلاتی ہوں گی؟"

"توبہ کرو' ان کے نزدیک میرا بھولپن اور میری معصومیت میرا عیب تھا۔ پندرہ سولہ کا سن تھا میرا' جب بیاہ کے آئی' نہ دنیا کا پتہ تھا نہ لوگوں کو برتنا آتا تھا۔ وہ مجھ پہ ٹھٹھے لگاتی' میرا مذاق اڑاتیں اور میں بے وقوفوں کی طرح مسکرائے جاتی۔ ایسا نہ تھا کہ مجھے ان کے طنز بالکل ہی سمجھ میں نہ آتے تھے یا مجھے برے نہیں لگتے تھے..... دل دکھتا تھا مگر منہ بنانا' مزاج بگاڑنا ادب کے منافی لگتا تھا اور میری تہذیب و مروت کو وہ میری کند ذہنی سمجھ کے مذاق بناتی رہیں۔" وہ افسردہ سی ہو گئیں۔

"میری والدہ' اللہ بخشے نے یہی نصیحت کی تھی کہ ....."

"آپ سب کو زبانی زبانی ہی بخشواتی ہیں خالہ یا کوئی ختم وغیرہ بھی دلاتی ہیں' میرا مطلب ہے نیاز وغیرہ بھی دلا دینی چاہیے۔" اسی کی طرح خالہ کا یہ تکیہ کلام بھی اسے پسند نہ آیا۔

"ہٹ شریر! ہاں تو سسرال میں مجھے "نگوڑی" کا خطاب ملا تھا اور یہ نام مجھے میری ساس اللہ بخشے نے دیا تھا۔"

"اف خدایا! ان کو بھی اللہ بخشے؟"

"ہاں' دل تو میرا سو سو طریقوں سے جلایا جاتا تھا۔ سب محفل جما کے بیٹھتے تو عجیب گھمن گھیر قسم کی گفتگو ہوتی۔ سیدھے طریقے سے بات کرنا تو کسی کو آتی ہی نہ تھی۔ میرے سر سے گزر جاتا سب کچھ مگر اس ڈر سے کہ مجھے سب کے سامنے نگوڑی اور غبی ہونے کا طعنہ نہ ملے' میں مسلسل مسکرائے جاتی' سب ہنستے تو ساتھ میں ہنس دیتی۔ اب مجھے کیا پتا کہ جس وقت وہ میرے خاندان کے بخیے اپنے مخصوص علامتی انداز میں ادھیڑ رہی ہوتیں' اس وقت میرا ہنسنا انہیں پھبتی کسنے کے برابر لگا کرتا۔ جیسے ساس کا لطیف سا مذاق میرے دل کو چھو کر باغ و بہار کر گیا ہو' ایسے میں وہ اور تپ جاتیں' میرے مسکرانے پہ پابندی لگ جاتی۔ میں نے یہ ہدایت گرہ سے باندھ لی۔ کچھ ہی دن بعد اللہ بخشے میری ساس چند رشتے داروں کے سامنے اپنی زندہ دلی بگھارتے ہوئے چند چٹ پٹے واقعے سنا رہی تھیں۔ سب لطف لے کے ہنس رہے تھے۔ ایک میں تھی جو خود پہ ضبط کیے منہ سیے بیٹھی تھی حالانکہ بعض چٹکلے تو ایسے کرارے تھے کہ مجھ سے ہنسی روکنا مشکل ہو گیا۔ قہقہے روکنے کے لیے منہ اور سختی سے بکا کر لیا مگر ہوا کیا ..... مہمانوں کے جانے کے بعد ساس نے وہ لتے لیے

کہ تو یہ ہی بھلی۔"

"ایسی ماتمی صورت بنا کے بیٹھی تھی میرے میکے والوں کے سامنے' اپنے میکے کے مہمان ہوتے تو "ونڈیاں" دیکھنے والی ہوتیں نگوڑی کی۔ اے ہے وہ لوگ بھی کیا کہتے ہوں گے کہ سرداراں نے شاید بہو کو مار پیٹ کے بٹھایا ہے، جو منہ کپا بنا کے بیٹھی ہے۔"

"بڑی فتنی سسرال تھی آپ کی خالہ! رشتہ کس نے کرایا تھا؟" تیمور نے لڑاکا انداز میں بازوؤں کے کف الٹتے ہوئے پوچھا جیسے رشتہ کرانے والے کا بھرتہ بنانے کا ارادہ ہو۔

"اللہ بخشے' ہمارے پنڈ کی وچولن تھی۔"

"لو جی' اس کو بھی اللہ بخشے۔" اس کا سارا جوش جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ ناز کی ہنسی چھوٹ گئی۔ تیمور نے چونک کے اسے دیکھا۔ یہاں آنے کے بعد وہ پہلی بار ہنسی تھی اور بے شک اس بے ساختہ ہنسی نے اسے عام سی لڑکی کے خاکے سے خاصی حد تک باہر نکال دیا تھا۔

"ویسے اب اس کی بیٹی رشتے کراتی ہے۔ میں نے ناز کے لیے بھی کہہ رکھا ہے اسے مگر وہ جتنے بھی رشتے لائی' اس نخرے والی نے انکار کر دیا۔" بھولی خالہ نے بیٹی کو خفگی سے گھورا۔

"اس کی ماں کے کیریئر پہ آپ کی شادی کی صورت جو دھبہ لگا تھا' وہ سارا ریکارڈ خراب کر گیا۔ اچھا کیا جو ناز نے انکار کر دیا۔"

"تم چھڑے کی جوتی کی طرح پھیلتے مت جاؤ۔" امی نے اسے گھرکا۔ "لڑکی ذات کو شہہ دے رہے ہو۔ بھولی بے چاری کتنی فکر مند رہتی ہے اس کی وجہ سے۔"

"مگر خالہ! کسی ایرے غیرے نتھو خیرے کے پلے باندھ کے وہ ہر فکر سے آزاد تو نہیں ہو جائیں گی۔" ناز نے نکتہ پیش کیا۔ "اس سے ان کی پریشانیوں میں اور اضافہ ہو گا۔"

"بھولی خالہ! آپ کی اجازت ہو تو میری خدمات حاضر ہیں۔ لاہور میں ڈھونڈتے ہیں کوئی رشتہ۔"

"تمہارا بڑا احسان ہو گا بیٹے۔"

اتنے میں کال بیل کی آواز پہ تیمور کی امی نے زمانے بھر کی بے زاری چہرے پہ سجالی۔

"لو آگیا۔۔۔ یک نہ شد دو شد۔"

"سلاماں لیکم۔" آنے والے کی آواز پہلے آئی اور وہ بعد میں نمودار ہوا۔

"آؤ یار! میری خالہ آئی ہوئی ہیں۔" حالانکہ وہ تیمور کی اس باقاعدہ دعوت سے پہلے ہی آچکا تھا اور اب تک تو بھولی خالہ آنکھ کے اشارے سے اپنی دختر نیک اختر کو اندر بھی بھیج چکی تھیں۔

"اور خالہ! یہ میرا جگری یار فرہاد ہے۔ اسے آپ شیریں والا فرہاد بھی سمجھ سکتی ہیں کیونکہ شیریں سے انہیں خاص نسبت ہے۔ ان کی مٹھائی کی دکان کا نام شیریں کدہ ہے۔"

"خیر سے حلوائی ہو؟" بھولی خالہ نے بظاہر بڑے "لشن تاش" لڑکے کا جائزہ لے کے پوچھا۔

"جی نہیں بیکرز اینڈ کنفیکشنرز ہیں۔"

"یہ کیا بلا ہے؟"

"یہ وہی بلا ہے جو دھوبی پہ نازل ہوتی ہے تو وہ ڈرائی کلینر بن جاتا ہے' خانساماں پہ سوار ہو تو وہ شیف یا کک بن جاتا ہے' نائی پہ ہو تو ہیئر اسٹائلسٹ' درزی پہ ہو تو فیشن ڈیزائنر بن جاتا ہے۔"

پتہ نہیں وہ سمجھیں یا نہیں' البتہ سر بڑی متانت اور بردباری سے ہلا دیا۔

"بڑا اچھا لڑکا ہے۔ اکلوتا ہے مگر بے تحاشا لاڈ پیار کے بعد بھی بگڑا نہیں۔ بہت سدھرا ہوا ہے۔"

"یوں کہو سدھلایا ہوا۔۔۔" امی بڑبڑائیں۔ ان سے تیمور کی یہ لن ترانیاں برداشت نہ ہوتی تھیں اور پھر فرہاد۔۔۔ جو اس وقت یوں خاموش بیٹھا تھا جیسے بر دکھوے کو آیا ہو۔

"ہاں تو تم کیا کہہ رہے تھے' ناز کے لیے لاہور میں رشتہ دیکھو گے؟" بھولی خالہ نے تیمور کی بیان کی گئی معلومات کے باوجود فرہاد میں خاطر خواہ دلچسپی نہ لی۔

"اگر واقعی تم نے ایسا کر دیا تیمور! تو پہلی بار میرے

ل سے تمہارے اس شوق کے لیے کوئی بھلی دعا نکلے گی۔ یہ بھولی بیچاری کہاں ڈھنگ کا رشتہ ڈھونڈ پائے گی۔ اسے زمانے کی عیاری کا کیا پتا۔ اسے تو کوئی کاٹھ کا الو بھی بے وقوف بنا لے گا۔" امی کے اس فتوے پہ بھولی خالہ یوں انکساری سے سر جھکا کے مسکرانے لگیں جیسے کہہ رہی ہوں۔ "آپ کی ذرہ نوازی ہے ورنہ بندی کس قابل۔"

"میں ابھی اپنا رجسٹر کھولتا ہوں۔ دو چار اچھے لڑکے چھانٹ کے الگ کرتا ہوں۔" اس نے اٹھنے کا ارادہ کیا۔

"ہیں؟ کیا تم لڑکے رجسٹر میں لپیٹے پھرتے ہو؟" بھولی خالہ کے اس معصوم استفسار پہ امی نے ماتھا پیٹ لیا۔

"ہائے ہائے... بھولی۔ رہیں ناں تم بھولی کی بھولی۔"

☼ ☼ ☼

"ویسے خالہ! آپ کا میرے دوست فرہاد کے بارے میں کیا خیال ہے؟ آج کل اس کا کیس بھی میرے پاس آیا ہوا ہے؟" اس کے سوال پہ پانی پیتے بھولی خالہ کو اچھو لگ گیا۔

"کیس؟ تم کیس دیکھتے ہو؟ وہ پولیس والے...؟"

"نہیں خالہ! گھریلو کیس۔ اس محلے بلکہ ارد گرد کے دو چار محلوں میں میرا بڑا نام ہے۔ ہر عورت کیس مجھ سے کروانا چاہتی ہے۔"

"عورتوں والے کیس؟ مگر... مگر وہ تو دائیاں کرتی ہیں۔"

"لاحول ولا قوۃ..." وہ سٹ پٹا گیا۔ خجل سا ہو کے سر پھیرا تو ناز باورچی خانے کے کھلے دروازے سے اسے چوکی پہ بیٹھی آٹا گوندھتی نظر آئی۔ گھٹنوں پہ تھوڑی ٹکائے وہ جو ہنسی روکنے کی کوشش کر رہی تھی اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اپنی والدہ کی عالمانہ گفتگو سن چکی ہے۔

"خیر! تم سے کیا بعید، وچولن بن سکتے ہو تو دائی بننے میں کیا جاتا ہے؟"

"کیسی باتیں کر رہی ہیں بھولی خالہ! لوگ اپنے بچوں کے شادی بیاہ کے کیس مجھ سے حل کرواتے ہیں۔ فرہاد کی امی نے بھی اپنے اکلوتے بیٹے کا معاملہ مجھ پہ چھوڑا ہے۔ آپ کیسا لڑکا پسند ہے؟"

"دیکھنے میں تو چغد سا لگتا ہے مگر مردوں کی شکل صورت نہیں کردار، خاندان اور کمائی دیکھی جاتی ہے اور اگر بیٹیاں میری ناز جیسی سر پھری ہوں تو اور بھی بہت کچھ دیکھا جاتا ہے جیسے اس کی شرط ہے کہ لڑکا تعلیم میں اس سے زیادہ ہو۔"

"ہاں تو ٹھیک ہے، یہ کون سا بڑا مسئلہ ہے، فرہاد نے ایف اے کیا ہوا ہے۔" اس کا خیال تھا، پس ماندہ سے چک سے آئی اس قبول صورت، غریب لڑکی نے مڈل نہیں تو زیادہ سے زیادہ میٹرک کر رکھا ہو گا۔

"میں نے لالہ موسیٰ ڈگری کالج سے پچھلے سال ہی بی اے کیا ہے۔" ناز آٹے کا تسلہ لے کر کچن سے نکلی اور برآمدے میں رکھے فریج میں رکھتے ہوئے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

"تم کرنے کیا گئی تھیں لالہ موسیٰ؟" وہ کمر پہ ہاتھ رکھ کے باقاعدہ لڑنے کے انداز میں پوچھنے لگا۔ "وہاں کون بیٹھا ہے بی اے کرانے والا۔" جیسے پتا چلتے ہی وہ اس کا قتل کرانے والا ہو۔

"میری پھوپھی رہتی ہیں وہاں اور ان ہی نے مجھے بی اے کرایا ہے۔"

"پھوپھی اپنے گھر رکھ کے بی اے کرا سکتی تھیں تو اپنے ایم اے پاس لڑکے سے شادی بھی کروا دیتیں۔" اس نے طعنہ دیا۔

"ضرور کراتیں اگر ان کے کسی بیٹے نے ایم اے کیا ہوتا۔ ان کا سب سے بڑا بیٹا اب فرسٹ ایئر میں پہنچا ہے۔" ناز نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"ہاں۔ ڈبل ایم اے لڑکا ڈھونڈو ان کے لیے، چاہے سوکھی ڈبل روٹی تک کھلانے کے قابل نہ ہو۔"

"بھولی خالہ! فرہاد کے ابا کی بیکری خوب چلتی ہے، حال ہی میں گلبرگ میں دوسری برانچ کھولی ہے۔ وہاں

فرہاد بیٹھتا ہے۔ اکلوتا ہے' ساری کمائی اسی کی ہے اور ذاتی مکان بھی اسی کے نام ہوگا۔ یہیں قریب ہی ہے۔ کبھی چلیں میرے ساتھ۔ ضرورت اور آسائش کی ہر چیز سے بھرا ہوا ہے۔"

"تمہاری نظریں اتنی بھوکی اور ندیدی نہیں تیمور صاحب کہ کسی کے بھرے گھر کو دیکھ کر ابل پڑیں۔ اماں کو ایسے لالچ دینے کی ضرورت نہیں۔" ناز کے ٹوکنے پہ اسے ایک بار پھر غصہ آیا۔ یہ لڑکی اچھا بھلا ہاتھ میں آیا کلائنٹ بھگا دے گی۔

"تم بیچ میں مت بولو۔ ایسے معاملات میں ٹانگ اڑانے والی لڑکیاں ویدہ ہوائی کہلاتی ہیں۔ ہاں بھولی خالہ! آپ بتایئے' کس قسم کا لڑکا چاہتی ہیں آپ اپنی صاحبزادی کے لیے؟" اس نے رجسٹر کھول کے ایک نئے نام کا اندراج کیا۔

"مس ناز گل چوہدری۔"

"کوائف۔ عمر تیئس سال' تعلیم بی اے۔" ابھی وہ باآواز بلند بولتا اتنا ہی لکھ پایا تھا کہ ناز نے دوبارہ دخل دیا۔

"میں آج کل پرائیویٹ ایم اے کی تیاری کر رہی ہوں۔"

"ہاں۔ تمہیں کون روک سکتا ہے۔" وہ بڑبڑایا اور بی اے کاٹ کر ایم اے زیر تعمیر لکھ دیا۔

"آپ کی تو اردو بھی بہت خراب ہے' یہ زیر تعمیر ایم اے کیا ہوتا ہے؟"

"تم میری اردو کو مارو گولی' میری نیت دیکھو۔" اس نے رجسٹر کھول کے اس کے سامنے کیا۔

"تمہیں خوش شکل' خوش اخلاق' دراز قد' دراز گیسو اور سگھڑ لکھتے ہوئے میرا ہاتھ تک نہیں کانپا۔ میرے ضمیر نے اس طومار باندھنے پہ مجھے بھگو بھگو کے چھتر نہیں مارے۔"

"ہونہہ۔" وہ تپ کے دور جا بیٹھی۔

"اے بیٹا! میں کیا بتاؤں۔ کوئی بھی بھلا مانس' انسان کا بچہ ہو' جو عزت سے دو وقت کی روٹی کھلا سکے۔"

"اور صبح کا ناشتہ بھی...... نجانے لوگ اسے کیوں بھول جاتے ہیں۔" تیمور نے اضافہ کیا لیکن شاید بھولی خالہ نے اب اس کی بے مقصد باتوں پہ دھیان نہ دینے کا ارادہ کر لیا تھا۔

"لیکن میرے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ آج کل کی اولاد بھلا کہاں کسی کے کہنے سننے میں ہے۔ اس کی تو ہزار شرطیں ہیں۔" وہ بے زار سی نظر آئیں اور ناز خفا خفا سی۔

"مثلاً"؟"

"مثلاً" یہ کہ۔" ناز نے خود بتانا شروع کیا۔

"مجھے بزنس مین پسند نہیں خصوصاً" یہ چھوٹا موٹا بزنس کرنے والے لوگ...... مٹھائی کی دکان' ویڈیو شاپ' موبائل ریپیئرنگ کی دکان' جنرل اسٹور' کپڑے برتن وغیرہ کی دکان...... اور نام رکھتے ہیں دکانداری کا "بزنس۔" ہونہہ بھلے لاکھوں روپے ماہانہ کیوں نہ کما لیتے ہوں۔ مجھے باعزت ملازمت کرنے والا اعلا تعلیم یافتہ شوہر چاہیے' چاہے اس کی ماہانہ تنخواہ چند ہزار ہی کیوں نہ ہو۔"

"دیکھ لیا...... یہ ہے اس الٹی کھوپڑی کی شرط نمبر دو۔" بھولی خالہ نے دہائی دی۔

"پچھلے دنوں پٹواریوں کی بہو اپنے بھائی کا رشتہ لائی۔ وہ ادھر اس کے ہیکے شہر میں رہتا تھا فیصل آباد' قسطوں پہ بجلی کا سامان دیتا تھا۔ بڑا چلتا کاروبار تھا اور پڑھا لکھا بھی تھا۔ لیکن اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں "بنیے" سے شادی نہیں کر سکتی۔"

"ٹھیک کیا میں نے۔ وہ سود خور ہی رہ گیا تھا میرے لیے۔" ناز نے تنک کر سر جھٹکا۔ تیمور کو اس کے نخروں پہ ہنسی آ گئی۔ خود وہ دو ایسی لڑکیوں کے رشتے ایسے لڑکوں کے ساتھ کرا چکا تھا کہ بعد میں کتنے ہی دن اسے بھی دل ہی دل میں افسوس ہوتا رہا۔ آخری دن تک وہ انتظار کرتا رہا کہ لڑکی خود ہی انکار کر دے مگر منگنی والے دن لڑکی کو راضی برضا اس لنگور کے برابر بیٹھے دیکھ کے صبر کر لیا۔ پہلی لڑکی بے تحاشا حسین تھی' ہوم اکنامکس کالج سے گریجویٹ۔ گھرانہ بھی اچھا تھا' تینوں بھائی اور باپ ٹھیک ٹھاک کماتے تھے۔ اس لیے جہیز

بھی اچھا ملنے کی امید تھی۔ اس کے باوجود وہ آسانی سے ملک ریاض جیسے چالیس کے پیٹے میں، گنجے آدمی سے شادی پہ اس لیے تیار ہو گئی کہ اس پہ دو منگنیاں ٹوٹنے کا دھبہ لگ چکا تھا۔ پہلی بچپن کی منگنی تھی، وہ تو ابھی فرسٹ ایر میں ہی تھی کہ منگیتر نے جرمنی میں اپنی پسند سے شادی کر لی۔ ڈھائی سال بعد دوسری منگنی ہوئی جو چند مہینے بعد اس لیے ٹوٹ گئی کہ انہیں کسی خیر خواہ نے لڑکے کی نشہ کرنے کی عادت کے بارے میں بتلا دیا تھا۔ دونوں بار قصور اس کا نہ تھا لیکن الزام اسی پہ آئے۔ دوسری لڑکی کی ابھی تک ایک بھی منگنی نہ ہوئی تھی لیکن اس کا عیب یہ تھا کہ وہ چار بہنوں میں سب سے بڑی تھی۔ اوپر تلے کی ان چاروں بہنوں میں سے سب سے چھوٹی والی بھی اب میٹرک کے پیپرز دے رہی تھی اور ماں باپ کو لگتا تھا کہ اس کے کالج پہنچنے تک کم از کم ایک تو گھر سے رخصت ہو۔ یوں وہ ایم اے انگلش، ذہین وفطین، سلیقہ شعار اور اچھی خاصی خوش شکل لڑکی جو ایک اعلا سرکاری عہدے دار کی بیٹی بھی تھی ایک انٹرپاس ٹھیکے دار سے شادی کرنے پہ بخوشی رضامند ہو گئی جس کی شکل پہ تسلی بخش مقدار میں پھٹکار پائی جاتی تھی۔

✲ ✲ ✲

تیمور بالکل حادثاتی طور پہ اس پیشے سے منسلک ہوا تھا۔ بے شک زندگی میں اس نے بڑے بڑے عزائم کبھی بھی نہ رکھے تھے، نہ ڈاکٹر، انجینئر بننے کا خواب دیکھا تھا نہ ہی فوج میں جانے کی خواہش تھی۔ مگر ایسا بھی نہ تھا کہ کوئی پوچھتا۔

"بڑے ہو کے کیا بنو گے؟"

تو وہ جواب دیتا۔ "میں چلتا پھرتا میرج بیورو بنوں گا۔" مگر قسمت کی بات اسے یہ بننا پڑا۔

بی اے کا نتیجہ نکلے زیادہ دن نہ گزرے تھے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ بی اے کا دوسری بار خراب نتیجہ نکلے زیادہ دن نہ گزرے تھے، اس بار اس نے تھرڈ ڈویژن پہ ہی صبر شکر کر لیا، ایک آدھ سبجیکٹ میں جو سپلی تھی وہ بھی کلیئر کرنے کا ارادہ نہ تھا۔ جوتیاں بھی نئی نکور تھیں یعنی نوکری ڈھونڈ ڈھونڈ کر چٹخی نہ تھیں، صرف بال پین کی سیاہی ختم ہوئی تھی، اخبار میں "ضرورت ہے" کے اشتہاروں پہ دائرے بنا بنا کے۔ ان ہی دنوں کی بات ہے جب اس کی تائی اس کی امی کو رکشہ پہ لینے آئیں۔

"یہ رکشہ پہ ستم کیوں توڑا جا رہا ہے؟" اس نے ایک نظر ڈبیا سے رکشہ پہ اور دوسری اپنی ماں اور تائی کے صحت مند تن و توش پہ ڈال کے پوچھا تھا۔

"قاسم کے لیے لڑکی دیکھنے جانا ہے۔"

"آپ کا ایک آدھ لڑکی کو دیکھنے سے جی نہیں بھرتا؟ دو سال ہو گئے ہیں۔ یہ شغل جاری ہے۔ اتنا ہی شوق ہے تو کسی گرلز کالج کے باہر کھڑے ہو جائیں، چھٹی کے بعد گیٹ کھلتے ہی لڑکیاں ہی لڑکیاں..... جی بھر کے، نظر بھر کے اور نیت بھر کے دیکھیں۔"

"یہ تمہارا کام ہے، تمہیں ہی ساجھے۔" تائی خاصی خوش مزاج اور اپنے چھوٹوں سے کافی بے تکلف بھی تھیں اس لیے ہنس کے چوٹ کر گئیں۔

واپسی پہ وہ امی کو اتارنے آئیں تو بری طرح ہانپ رہی تھیں، امی کے اصرار پہ رک گئیں۔

"توبہ، اس بنو کے ابا کی تو واقعی بڑی اونچی حویلی تھی، سیڑھیاں چڑھ چڑھ کے تلوے اوئی اوئی بول گئے۔" امی نے جوتی اتار کے پیر سہلائے۔

"دفع..... حویلی....." تائی نے منہ بگاڑ کے ہاتھ جھٹکا۔

"چار مرلے کی جگہ پہ نیچے چھ دکانیں درزیوں اور پرچون والوں کی، اوپر کی منزل پہ ایک اکیڈمی، ایک فوٹو اسٹوڈیو اور ایک حکیم، تیسری منزل پہ پتا نہیں کیسے لفنگوں نے ڈبی جیسے کمروں میں دفتر بنا رکھے تھے اور سب سے اوپر چوبارہ اور چار کمرے ڈال کے یہ خاندان رہ رہا ہے اور رشتے کرانے والی نے بڑہانکی تھی، لڑکی کے باپ کا اپنا پلازہ ہے جس میں دکانیں، فلیٹ اور آفس کرائے پہ چڑھا رکھے ہیں۔ توبہ لوگ بھی رائی کا پہاڑ منٹ میں بنا ڈالتے ہیں۔"

"ولیعنی یہ لڑکی بھی ٹائیں ٹائیں فش۔"

"ہاں تو لڑکی ڈھونڈنا کوئی معمولی بات ہے۔ اچھی لڑکی آسانی سے نہیں ملتی۔"

"یہ آپ کا گمان ہے۔ ادھر تو ہر ہفتے ملتی ہے۔" اس نے ماں سے چھپا کے کالر کھڑے کرتے ہوئے آواز دبا کے کہا۔ تائی کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"میں گھر بسانے والی لڑکیوں کی بات کر رہی ہوں' دل گرمانے والیوں کی نہیں...... بھابی بنانے کے لائق ہو کوئی تو بتاؤ۔" انہوں نے یونہی کہا مگر وہ سنجیدگی سے اپنے حلقۂ احباب پہ غور کرنے لگا اور متفق ہو کے سر ہلانے لگا' واقعی وہ درست کہہ رہی تھیں یہ چھمک چھلو ٹائپ لڑکیاں بھابی کے رتبے تک پہنچنے کے لائق نہ تھیں' ہر چند کہ کبھی نہ کبھی' کسی نہ کسی کی بھابی تو انہیں بننا ہی تھا مگر اس کی نہیں' جس کے ساتھ ہلکی پھلکی نظر بازی اور رقعہ بازی رہ چکی ہو۔

"کیوں...... ہے ناں یہ مسئلہ گمبھیر۔ تم یونہی مجھے باتیں سناتے رہتے ہو کہ میں چائے ناشتے کے لیے ہر جگہ لڑکی ڈھونڈنے کے بہانے جا گھستی ہوں۔ برخوردار! بیٹا بیاہنا اب آسان کام نہیں رہا۔"

"بیاہ کرنا ہی اب آسان نہیں رہا چاہے لڑکا ہو چاہے لڑکی۔ دونوں کا ہی رشتہ مشکل سے ملتا ہے۔ میرے دوست فرہاد کی امی بھی پرسوں یہی ذکر۔" اچانک وہ رکا۔

"ارے تائی امی...! جہاں اوروں کے کہنے پہ اتنی لڑکیاں دیکھیں' ایک میرے کہنے پہ دیکھ لیں' فرہاد کی بڑی بہن ہے فرہاد سے تو ملی ہوں گی آپ بس وہ ہی بہن بھائی ہیں۔"

اسی وقت اسے فون کیا گیا' ایک گھنٹے بعد وہ تائی اور امی کو لے کے وہاں گیا۔ گھر کا سلیقہ' سجاوٹ' صفائی اور مہمان نوازی دیکھ کے تائی کا دل خوش ہو گیا' یقیناً" یہ روز کا معمول تھا ورنہ ایک گھنٹے کے نوٹس پہ کون کایا پلٹ کرتا ہے۔ لڑکی بھی اچھی تھی' قاسم کے جوڑ کی۔ ایف اے کر رکھا تھا۔ سلائی کڑھائی میں ماہر' پکانے ریندھنے میں استاد' شکل و صورت کی اچھی۔ خاندان بھی شریف اور مختصر تھا' دینے دلانے میں ہاتھ کھلا رکھنے کا اشارہ بھی باتوں باتوں میں دے دیا گیا۔ ادھر فرہاد کی امی نے شکر ادا کیا۔ فرہاد ابھی اکیس برس کا تھا مگر گرتے ہوئے بالوں نے چہرے پہ پکا پن پیدا کر دیا تھا۔ جب بتایا جاتا کہ یہ لڑکی کا چھوٹا بھائی ہے تب لوگ لڑکی کی عمر کے بارے میں مشکوک ہو جاتے۔ لیکن تیمور کی تائی برسوں سے فرہاد کو دیکھتی آ رہی تھیں' تب سے جب وہ نیکر پہنا کرتا تھا۔

رشتہ طے ہونے کا سارا کریڈٹ تیمور کو دیا گیا۔ تائی نے تو لڑکی والوں کو کہلوا بھیجا کہ پہناوئی کے جوڑوں میں تیمور کا بھی سوٹ رکھا جائے۔ قاسم بھائی نے شکرانے کے نفل پڑھنے کے بعد تیمور کو اس کی پسند کی شاپنگ کے لیے ایک ہزار روپے دیے۔

اسی سوٹ اور ہزار روپے کی کشش تھی کہ جب اس کے ایک اور دوست حمزہ کی امی نے اس سے کہا۔

"نبیلہ بھی تمہاری بہن ہے' ثروت کی طرح اس کا گھر بسانے کے لیے بھی کوئی ہاتھ پیر مارو۔"

تو وہ معذرت کرنے کے بجائے سوچ میں پڑ گیا۔ کہنا تو یہی چاہتا تھا کہ "آنٹی! میں نے کوئی شادی دفتر تو نہیں کھول رکھا۔" مگر بار بار نظروں کے سامنے ہزار کا نوٹ آ جاتا۔ بے روزگاری کے ان دنوں میں یہ نوٹ اس کے لیے بہت معنی رکھتا تھا۔ ادھر حمزہ کی امی جب سے فرہاد کی بہن کی شادی سے آئی تھیں' ایک ہی رٹ لگا رکھی تھی۔ پہلے تو اتفاقیہ رشتہ طے ہو گیا' اس بار اس نے واقعی جان پہچان کے لوگوں کو کھنگال ڈالا۔ حلقۂ احباب خاصا وسیع تھا' دو دوستوں کو نظر میں رکھ کے بات چلائی اور ایک جگہ بات بن ہی گئی۔ اس بار بھی زبانی شکریہ کے ساتھ ساتھ تحائف بھی ملے۔ باقاعدہ معاوضہ اس نے تب طلب کیا جب اس شادی کے دو تین دن بعد اسی محلے کے ایک پروفیسر صاحب شرماتے' گھبراتے اس سے ملنے آئے۔ موصوف کی سترہ سال پہلے ایک شادی تب ہوئی تھی جب وہ انٹر کے طالب علم تھے' خاندان کی شادی تھی' بیوی گاؤں میں رہی' یہ شہر میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ چار پانچ سال بعد وہ

بچے کو جنم دیتے ہوئے وفات پا گئی' بچہ بھی نہ رہا۔ یہ صاحب ایم اے کی تیاری کر رہے تھے..... پھر ملازمت تلاش کرنے کے مرحلے نے شادی کا مسئلہ التوا میں ڈال دیا۔ سرکاری ملازمت ملی تو دور دراز کے کسی چک کے اجڑے ہوئے اسکول میں تعینات ہوئے۔ وہاں سے دو ڈھائی سال بعد دوبارہ شہر آئے تو ترقی کا خناس سمایا' پی ایچ ڈی میں جت گئے۔ یہ تیر مار لیا تو پلٹ کے دیکھا..... نہ ماں نہ باپ..... دونوں ختم..... بھائی بہن اپنے اپنے گھربار والے' ان کی عمر چھتیس سال ہو چکی تھی۔ تیمور نے امی کی یادداشت کے سہارے برادری کی ایک ایسی باجی کو دریافت کر ہی لیا جو ایم اے اردو کر لینے کے بعد رشتے کا انتظار اور ایک اسکول میں جاب پچھلے چند سال سے کر رہی تھیں۔ اس کے بعد تو چل سو چل..... وہ جو ایک جھجک سی تھی کہ لوگ کیا کہیں گے' وہ بھی نہ رہی۔ امی کی ناگواری بھی گھر آتے روپے دیکھ کے کم ہو جاتی۔ سوچتیں..... "چلو جب تک ڈھنگ کی نوکری نہیں ملتی' یہی سہی..... کم از کم غلط صحبت میں تو نہیں بیٹھتا' خالی دماغ شیطان کا گھر ہوتا ہے' یہ مصروفیت ہی سہی اور دوسرے تیسرے روز چار پانچ سو روپے الگ آتے ہیں۔"

لیکن وقتاً فوقتاً وہ اسے سنجیدگی سے کوئی اور کام ڈھونڈنے کی ہدایت ضرور کرتی رہتیں جسے وہ ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا دیتا کہ اس کے خیال میں کانوں کا بہترین مصرف یہی ہے' اب تو اس کی شہرت خاندان اور محلے سے نکل کے آگے تک پھیل چکی تھی۔ اس کا کام منظم طریقے سے بڑھ رہا تھا۔ آمدنی معقول تھی اور وہ مطمئن۔

☆ ☆ ☆

"بھولی خالہ! دعائیں دیجیے مجھے' کیا کمال کا رشتہ ڈھونڈا ہے۔"

"جہاں معاوضے کے بدلے صرف اور صرف دعائیں ملنے کی امید ہو' وہاں بھی آپ کمال کے رشتے بھیجا کرتے ہیں؟" ناز نے سراسر اس کے خلوصِ نیت پہ شک کا وار کرتے ہوئے پوچھا۔ اس سے پہلے کہ وہ وضاحت کرتا' خالہ نے اپنا سوال دے مارا۔

"کرتا کیا ہے کمال؟"

"کون کمال؟"

"اے وہی جس کا رشتہ تم لائے ہو۔"

"امی....." وہ جھنجلا کے ماں کو پکارنے لگا۔ خالہ کا بھولپن وہی ہینڈل کر سکتی تھیں۔

"کیا کرتا ہے لڑکا' خاندان کیسا ہے؟ منہ پھاڑ کے تو نہیں مانگ رہے؟" باقی تفصیلات انہوں نے طلب کیں۔

"نہیں' بلکہ زیر لب بھی نہیں مانگ رہے۔ انہیں لڑکی تین' چار یا پانچ کپڑوں میں بھی قبول ہے۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟" ناز نے نکتۂ اعتراض پیش کیا۔

"بھئی۔ سردیوں میں شادی ہوئی تو تین کپڑوں میں کہاں گزارا ہونے والا ہے' ٹھٹھر نہ جاؤ گی تم۔ اس لیے شال اور سویٹر وغیرہ میں نے اضافی شامل کر دیے۔"

"میرا مطلب ہے' انہیں خالی ہاتھ' تالیاں بجاتی لڑکی ہی کیوں چاہیے۔"

"ان کے ہاں اللہ کا دیا' بندوں سے لیا..... سب موجود ہے۔"

"مگر بہو کے ہاں سے آئے کی بات ہی اور ہوتی ہے' انہیں جہیز کیوں نہیں چاہیے؟" عجیب لڑکی تھی' چاہیے ہوتا تب بھی اکڑ جاتی' اب نہیں چاہیے تب بھی فوں فاں کر رہی تھی۔

"وہ لالچی لوگ نہیں' کھاتا پیتا گھرانا ہے' گھر میں دو دو ٹی وی ہیں' فریج ہے' سارے کمرے فرنیچر سے بھرے ہیں۔ تمہارے جہیز میں آئے پیڈسٹل فین کی انہیں ضرورت نہیں' اے سی لگا ہوا ہے۔ دو کمروں میں' اور نہ ہی تمہارے واٹر کولر یا ملتانی چارپائیوں کے محتاج ہیں وہ..... نہ ہی ان کی دیواریں ایسی ننگی بچی ہیں کہ تمہارے ہاتھ کے بنے مکراموں اور فن پاروں سے سجنے کو بے تاب ہوں۔" وہ اس بری طرح برسا کہ ناز کی دوبارہ ہمت نہ ہوئی کوئی سوال کرنے کی۔

"لڑکا ایل ڈی اے میں ملازم ہے' عمر ہو گی کوئی تیس اکتیس برس' سارے بہن بھائی بیاہے گئے' یہ ایک پیس بچا ہے' ذاتی مکان' ذاتی موٹر سائیکل' ذاتی ماں باپ۔ باقی آپ کل خود میرے ساتھ جا کے دیکھ آئیں۔"

"واہ ..... واہ بیٹا ـــ ذاتی مکان' ذاتی موٹر سائیکل۔" اگلے دن وہاں سے واپسی پہ امی نے لہک لہک کے قصیدے پڑھے۔

"مگر یہ نہ بتایا تم نے کہ بال اور بتیسی اس کی ذاتی نہیں ہے۔ غضب خدا کا' اگر عمر تیس اکتیس برس ہے تو کیا کوئی بیماری لگ گئی تھی جو اس عمر میں ہی دانت' بال سب جھڑ گئے' یا پھر تیس کو دو سے ضرب دینا بھول گئے تم؟" انہوں نے خوب تیمور کے لتے لیے۔

وہ خود بھی شرمندہ شرمندہ تھا۔

"ہو جاتا ہے کبھی کبھی ..... اس میں میرا قصور نہیں ۔ لوگ غلط بیانی کرتے ہیں اور ایسا کرتے ہوئے بھول جاتے ہیں کہ آنے والے اپنی آنکھیں اور عقل ساتھ لے کے آئیں گے' گھر بھول کے نہیں آئیں گے کہ انہیں الّو بنایا جا سکے۔ بہر حال' تجربہ تلخ مگر اچھا رہا۔ آئندہ احتیاط کروں گا۔"

"کیا کرو گے ـــ؟ مٹھی میں بال نوچ نوچ کے دیکھو گے کہ اصلی ہیں یا وگ لگا رکھی ہے ..... قربانی کے بکرے کی طرح تھوتھنی ہاتھ میں پکڑ کے دانت گنو گے؟" وہ واقعی چڑی بیٹھی تھیں۔

"اب بس بھی کیجیے' اس میں میرا قصور نہیں اتنے سال سے یہ کام کر رہا ہوں۔ اس لڑکی کی قسمت ہی کچھ ایسی تھی اور تو اور میرے شاندار کیریر پہ بھی بدنما دھبا لگا دیا۔"

ہمت اس نے نہ ہاری تھی۔ دو دن بعد ہی ایک اور نیلی ناز کو دیکھنے آ گئی' امی پانچ منٹ بعد ہی کانوں کو ہاتھ لگاتی صحن میں نکل آئیں۔

"میرا صوفہ فریادیں کر رہا ہے' تمہیں بھی باہر تک اس کی چیخوں کی آواز تو آ رہی ہو گی۔ ایسی پھول بانو تو میں بھی نہیں' اچھی خاصی صحت ہے لیکن یہ خواتین توبہ توبہ ـــ ہمارا پہلوان کے خاندان کی لگ رہی ہیں۔ مجھے تو دیکھ دیکھ کے ہول اٹھ رہے تھے۔ ان کے وجود ان آنکھوں میں بمشکل سما رہے تھے' مجھے تو ڈر تھا کہیں میرے دیدے ہی نہ پھٹ جائیں۔"

وہ برآمدے کا پنکھا فل اسپیڈ پہ کر کے وہیں بیٹھ گئیں اور تیمور کو یہ سوچ سوچ کے گھبراہٹ ہونے لگی کہ اندر مہمانوں کے سامنے بھولی خالہ کا بھولپن کیا کیا گل کھلا رہا ہو گا۔

"امی! مانا کہ آپ بیٹے کی ماں ہیں ـــ اکلوتے بیٹے کی۔ لیکن اس وقت آپ لڑکی والی ہیں' اس طرح کا لب و لہجہ اپنانا آپ کو زیب نہیں دیتا' وہ موٹی ہوں یا دبلی ..... آپ کو کیا لینا دینا۔ آپ ایک اچھی میزبان کی طرح اندر جا کے خوش اخلاقی بکھاریے ..... چاہے جی چاہے یا نہ چاہے۔" اس نے بمشکل انہیں اندر دھکیلا۔

مہمانوں کے جانے کے بعد بھی ان کے تاثرات کچھ مختلف نہ تھے۔

"ضرور لڑکا بھی عدنان سمیع کے سائز کا ہو گا۔" یہ ان کے اندیشے تھے جو کچھ ایسے غلط بھی نہ ثابت ہوئے۔ لڑکا صحت کے معاملے میں اپنی ماں اور بہنوں کی ٹکر کا تھا' البتہ رنگت نجانے کس کی لی تھی۔ عورتیں سب ہی گوری چٹی اور وہ بے چارہ توے کو شرماتے حسن کا مالک۔ سونے پہ سہاگہ ان نودولتیوں نے اپنے ڈرائنگ روم کو کلب کی طرح عجیب نیلی پیلی روشنیوں سے بھر رکھا تھا۔ ڈارک گرے صوفے پہ بیٹھا لڑکا اسی صوفے کا ایک حصہ لگ رہا تھا' اوپر سے بھولی خالہ بار بار ایک ہی سوال دہرائے جاتیں۔

"لڑکا کہاں ہے؟"

"جی یہیں ہے۔" ایک خاتون بڑے شرمندہ سے انداز میں صوفے کی جانب اشارہ کرتیں جہاں اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ کچھ دیر تک وہاں گھورتے رہنے کے بعد وہ پھر کہتیں۔

"جی لڑکے کو تو بلوائیں۔"

"بی بی ہمارا لڑکا تو یہی ہے' آپ کو کون سا

چاہیے۔" بالآخر لڑکے کی لحیم شحیم ماں کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا۔

"اس سے ذرا لائٹ شیڈ کا چاہیے۔" تیمور نے یوں جواب دیا جیسے کسی دکاندار سے اپنے مطلوبہ رنگ کا دوپٹہ نکلوا رہا ہو۔

"آپ نے تو کہا تھا' آپ کا بیٹا گندمی رنگ کا ہے۔" تیمور نے ان کی غلط بیانی پہ شرمندہ کرنا چاہا مگر وہ شاید اس فن سے ناآشنا تھے۔

"ہاں تو غلط کیا کہا تھا؟"

"یہ..... یہ گندمی رنگت ہے؟" امی نے باقاعدہ دہل کے اس سیاہ تودے کو دیکھا جو احتجاجاً "واک آؤٹ" کر رہا تھا۔

"آپ نے کبھی گندم دیکھی ہے؟ نہیں تو کبھی ہمارے گاؤں آئیے' دکھائیں گے۔" بھولی خالہ نے اٹھتے اٹھتے انہیں بڑے خلوص سے دعوت دی۔

واپس آکر امی نے اس کے خوب لتے لیے۔

"یہ رشتے کراتے ہو تم..... اور دعوا کرتے ہو کہ نیکیاں سمیٹ رہا ہوں' لوگوں کے گھر بسا کے دعائیں لیتا ہوں..... اس طرح کے گھر کتنی دیر بستے ہوں گے..... جھوٹ پہ جھوٹ' تمہیں کیا صرف جھوٹے لوگ ہی ٹکراتے ہیں؟"

"یہ محض اتفاق ہے۔"

"نہیں' یہ دھوکا دہی ہے اور تم بھی یقیناً اس میں شامل ہوتے ہو گے۔ ان کے جھوٹ کی پردہ پوشی کر کے اور ان کے دھوکے کو بڑھاوا دے کے بے چارے لڑکی والوں کو گھیرتے ہو گے۔"

"الزام..... سراسر الزام۔" وہ بل کھا کے رہ گیا۔

"پہلی بات تو یہ کہ کسی قسم کا کوئی فراڈ یا دھوکا دہی نہیں ہوئی۔ اس طرح کے ہلکے پھلکے جھوٹ دونوں طرف سے بولے جاتے ہیں۔ دھوکا دہی کیا ہوتی ہے' آپ کیا جانیں۔ پہلے سے شادی شدہ مرد کس کامیابی سے کنوارا ہونے کا بہروپ بھر کے دوسرا بیاہ رچا جاتے ہیں..... بیرون ملک ملازمت کرنے والے لڑکے کس طرح جلد باہر لے جانے کا جھانسہ دے کر ساری عمر اپنے ماں باپ کی چاکری کے لیے بیوی کو اکیلا چھوڑ جاتے ہیں اور جو ساتھ لے جاتے ہیں' ان میں سے بھی اکثر فراڈ ہی ثابت ہوتے ہیں۔ یہاں ایسے منظم گروہ بھی ہیں جو جہیز اور روپے پیسے کے لیے شادی کا ناٹک کرتے ہیں' بعد میں سب سمیٹ کے فرار ہو جاتے ہیں' بعض تو جاتے جاتے لڑکی کا بھی کام تمام کر دیتے ہیں۔"

اس نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے انہیں خوف زدہ کرنے کی بھی خاطر خواہ کوشش کی جس کے نتیجے میں بھولی خالہ کی رنگت زرد ہو گئی۔

"میں نے کیا ہی کیا ہے۔ اب اگر ایک ماں کو اپنے بیٹے کی توا سی رنگت بھی قندھاری انار جیسی لگتی ہے تو قصور اس کی ممتا کا ہے نہ کہ میرا..... کون ماں اپنے منہ سے بیٹے کو کالا بھجنگ بتائے گی۔ دھوکا تو تب ہوتا جب وہ اپنے کالے بیٹے کے بجائے کسی گورے سے لڑکے کو دکھائیں اور نکاح اس سے کروائیں۔ ہر کوئی کسی آس کے سہارے تھوڑی بہت غلط بیانی کر دیتا ہے کہ اسی بہانے رشتہ آئے تو سہی..... شاید قسمت کھل جائے۔ پھر آمنے سامنے بیٹھ کے جھوٹ سچ تو کھل ہی جانا ہوتا ہے۔ لڑکیوں کے ماں باپ کی جانب سے ایسی غلط بیانیاں زیادہ ہوتی ہیں۔ خصوصاً" عمر کے معاملے میں۔"

"تو پھر یہ رشتے طے کیسے ہوتے ہیں۔ اگلے کا جھوٹ جان کر بھی کیسے کوئی....." بھولی خالہ حیران تھیں۔

"تم تو ہر دوسرے دن مٹھائی کا ڈبہ لیے آتے ہو۔ جب آمنے سامنے بیٹھ کے جھوٹ سچ کھل ہی جاتے ہیں تو بھلا رشتہ کیسے طے ہو جاتا ہے؟" امی نے بھی نکتہ اٹھایا۔

"گندمی رنگت اگر نسواری نکل آئے یا گھنی زلفیں وگ کا کرشمہ ثابت ہوں تو عقل مند مائیں اسے مسئلہ عظیم نہیں بناتیں۔ آپ کیا جانیں' کیسی کیسی لڑکیاں کیسے کیسے اول جلولوں کے پلے بندھتی ہیں' ابھی آپ جس لڑکے کے موٹاپے اور رنگ پہ بے

انہاں تنقید کر رہی ہیں "کل دیکھیے گا میدے سے سفید' پھول سے ہلکی دلہن لے آئے گا..... ہر کوئی ایسے نخرے نہیں دکھاتا۔" اس نے کن اکھیوں سے خاموش بیٹھی ناز کو دیکھا اور ذرا آواز دبا کے مزید کہا۔

"ادروں میں کپڑے نکالنے سے پہلے ایک نظر خود پہ بھی ڈال لینا چاہیے۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" وہ بغیر کسی لحاظ کے اس پہ برس پڑی۔

"آپ کا خیال ہے میں نخرے کر رہی ہوں' کیڑے نکال رہی ہوں رشتوں میں..... اور ہاں..... یہ کیا کہا آپ نے کہ ایک نظر میں خود پہ بھی۔ مطلب کیا ہے آپ کا؟؟"

"مطلب یہ بی بی کہ صاف بات ہے۔ تم کوئی آسمان کی حور تو ہو نہیں' نہ چندرے آفتاب نہ چندرے ماہتاب' ذرا سا موٹا ذرا سا کالا لڑکا بھی چل سکتا ہے۔ ہیرو ٹائپ لڑکا کیا اپنے لیے کسی پری زنتا کی خواہش نہیں کرے گا؟؟"

"کرتا پھرے' جہاں تک میری بات ہے تو بے شک میں نے امی کو اپنے کچھ معیار ضرور بتا رکھے ہیں مگر وہ ایسے سطحی اور عارضی نہیں۔ میں ایک تعلیم یافتہ' باشعور اور میچور لڑکی ہوں۔ شکل و صورت پہ رہ کھنے والی یا فلم ایکٹرز پہ مرنے والی کوئی ٹین ایجر لڑکی نہیں۔ اگر امی اس کالے موٹے یا اس دن والے گنجے کو میرے لیے پسند کر لیتیں تو مجھے قطعاً کوئی اعتراض نہ ہوتا' بشرطیکہ یہ موٹا شادی بیاہ پہ مووی بنانے والا اور وہ گنجا درزی نہ ہوتا۔"

"کیا درزیوں کو شادی کرنے کا حق نہیں؟"

"ضرور کریں..... جو تیار ہو اس سے کریں۔ بہت سی لڑکیاں سلائی کا خرچا بچانے اور مفت میں کپڑے سلوانے کے لالچ میں یہ شادی کر سکتی ہیں مگر مجھے منظور نہیں۔ میں پہلے بھی صاف الفاظ میں کہہ چکی ہوں' بھلے اس کی آمدنی ایسے اوٹ پٹانگ کام کرنے والوں کے مقابلے میں نصف ہو مگر وہ کسی باعزت روزگار سے منسلک ہو' کسی کو بتاتے ہوئے پتا چلے کہ کسی پڑھے لکھے ہوئے کا کام ہے۔"

"اگر بات صرف تعلیم کی ہے تو ایک اور رشتہ ہے میرے پاس۔ لڑکے نے فائن آرٹس میں کوئی بڑی ڈگری لے رکھی ہے۔ مصور ہے مگر آمدنی اسے اپنے مصوری کے فن پاروں سے نہیں بلکہ اشتہاری بینر لکھ کے اور فلموں کے بڑے بڑے پوسٹر پینٹ کر کے حاصل ہوتی ہے اور یہی اس کا روزگار بھی ہے۔"

"کیا؟..... وہ صائمہ اور زنتا کے فل میک اپ والے بارہ بارہ فٹ اونچے پوسٹر ٹنگنے والا آدمی..... کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ....." وہ تو جیسے ناراض ہی ہو گئی۔

"مگر وہ تمہارے معیار کے مطابق تعلیم یافتہ تو ہے۔ نازلی بی! شادی اپنی جمالیاتی حس کی تسکین کے لیے نہیں کی جاتی۔ آج تمہیں لگتا ہے کہ مشین کے آگے بیٹھا زنانہ کپڑے سیتا یا وہی بڑے بیچتا شوہر تمہارے ذوق اور معیار کو ٹھیس پہنچانے کا باعث بن سکتا ہے مگر کل لمبی لمبی پرچیوں پہ آٹے دال کا حساب کتاب لکھتے ہوئے تمہیں اپنی ان ہی باتوں پہ ہنسی آئے گی۔"

☆ ☆ ☆

"یار فرہاد! کیوں میری روزی روٹی کے دشمن بنے ہو' کل پھر آنٹی نے مجھے بلایا تھا۔"

"وہ کیوں؟"

"زیادہ بھولا بھالا بننے کی ضرورت نہیں۔ بات یہ ہے کہ تمہاری عمر ہو گئی ہے شادی کے لائق۔ زمانہ بڑا خراب ہے اور آج کل جوان جہان لڑکوں کا شتر بے مہار پھرنا مناسب نہیں۔ جتنی جلد ہو سکے' انہیں ٹھکانے لگا دینا چاہیے۔ آنٹی نے کل پھر مجھ سے کسی اچھی سی لڑکی کے بارے میں کہا ہے..... جو تسلی بخش تعداد میں میرے پاس ہے..... میرا مطلب ہے میرے رجسٹر میں موجود ہیں' اب تم مانو تو میں کہیں بات آگے بڑھاؤں۔"

"یار! تمہیں کتنی بار بتا چکا ہوں کہ میری بچپن سے یہ خواہش ہے کہ میں لو میرج کروں۔"

"لو میرج اور وہ بھی بچپن کی خواہش، لعنت ہے تمہارے بچپن پہ، جو ایسے ایسے ارمان تمہارے دل میں جگاتا رہا۔"

"اب میں کیا کر سکتا ہوں۔۔۔ دل تو ہے دل۔۔۔ دل کا اعتبار کیا کیجئے۔۔۔ آگیا جو کسی پہ پیار۔۔۔" وہ گنگنانے لگا۔

"دیکھو پیارے، لو میرج کرنے کی تمنا تمہاری سراسر جائز ہے، میں اس پہ اعتراض نہیں کرتا مگر تم خود غور کرو کہ آخر یہ لو میرج ہے کیا؟۔۔۔ لو۔۔۔ میرج یعنی پیار بھی اور شادی بھی۔۔۔ شادی تم میرے کہنے پہ اور اپنی امی کی پسند سے کرلو، محبت بعد میں کرتے رہنا اپنی مرضی سے۔"

"یہ تو بددیانتی ہے۔۔۔ بے وفائی ہے۔۔۔ دھوکا بازی ہے۔۔۔ شادی کسی اور سے۔۔۔ محبت کسی اور سے۔" وہ بدک اٹھا۔

"ابے لو گھامڑ! میں نے کسی اور سے محبت کرنے کا مشورہ کب دیا۔ تم شادی تو کرو، نکاح کا چھوہارا منہ میں جاتے ہی محبت نہ ہو گئی تو کہنا۔۔۔ ویسے بھی تمہارے جیسے الو میرج سے پہلے لو کرنے کی صرف خواہش کر سکتے ہیں، کرنا ہوتا تو بچپن کی اس دیرینہ خواہش پہ اب تک عمل درآمد نہ ہو چکا ہوتا۔"

"اب وہ ملی ہی دیر سے ہے تو میں کیا کروں۔"

"کیا۔۔۔ کیا مطلب؟ کون ملی۔۔۔؟ کب ملی؟"

"وہ۔۔۔ یار، ماروگے تو نہیں؟" وہ جھجک رہا تھا۔

"کیا بہت بری جگہ دل لگا بیٹھے ہو۔۔۔؟ کہیں کسی بائی وغیرہ کا تو چکر۔۔۔" وہ رازداری سے پوچھنے لگا۔

"لاحول ولا قوۃ۔۔۔ وہ ایک شریف باحیا لڑکی ہے، اس بے چاری کو تو پتا بھی نہیں۔"

"اسی لیے تمہارا سر سلامت نظر آرہا ہے۔۔۔ خیر، لڑکی ٹھیک ٹھاک ہے تو بھلا میں کیوں تمہیں مارنے لگا۔"

"دراصل۔۔۔ وہ تمہارے گھر۔۔۔ ایکچوئلی وہ بھی۔"

"کون۔۔۔ ناز؟" تیمور بھی ایک گھاگ تھا۔

"ہاں۔"

"تو پہلے کیوں نہ پھوٹے۔"

"وہ تمہاری کزن ہے آخر۔" وہ واقعی شرمارہا تھا۔

"فی الحال وہ صرف ایک "کیس" ہے۔"

"کیا امی مان جائیں گی؟"

"سو فیصد۔۔۔ اور اس کی وجہ ان کا تمہارے لیے دلار نہیں بلکہ میرے لیے عقیدت کی حد تک بڑھی پسندیدگی ہے۔ خصوصاً" تمہاری باجی کی شادی اتنی اچھی جگہ ہو جانے کے بعد سے تو وہ میری قابلیت کی دل سے قائل ہیں۔ میری تجویز کردہ لڑکی بھلے سے یتیم ویسیر ہو گاؤں سے تعلق رکھنے والی عام شکل وصورت کی ہو اور جہیز ملنے کی رتی برابر امید بھی نہ ہو تب بھی ہنسی خوشی اسے بہو بنا لیں گی۔ اصل مسئلہ تو خود ناز ہے اس کا ماننا ذرا مشکل ہے۔"

"تو تم کس مرض کی دوا ہو؟"

"کنوارپن کی۔۔۔ اس مرض کو میں جڑ سے اکھاڑ پھینکنا چاہتا ہوں۔ اس معاشرے سے کنواروں کا صفایا کرنا چاہتا ہوں۔ یہی میرا نصب العین ہے۔ ناز کو دس دن میں نہ منایا تو میرا نام بدل دینا۔"

"نام نہیں ہم اپنا پروفیشن بدل دینا۔"

فرہاد نے چیلنج کیا اور تیمور کو اس پہ پورا اترنا ہی تھا۔

بھولی خالہ دوبار فرہاد سے مل چکی تھیں مگر جوان بیٹی کی ماؤں والا کوئی ذوق شوق ظاہر نہ کیا تھا جو ایک صحت مند، خوش شکل، برسر روزگار کنوارے نوجوان کو دیکھ کر فطری طور پہ ان کے اندر امنڈنا چاہیے تھا۔ اس کی ایک وجہ تو یقیناً" ان کی بہن یعنی تیمور کی امی کے وہ دلی جذبات تھے جو وہ نامعلوم وجوہ کی بنا پہ فرہاد کے بارے میں عرصے سے رکھتی آرہی تھیں۔۔۔ دراصل بھولی خالہ کی اپنی تو کوئی رائے تھی ہی نہیں۔

"فرہاد میں کیا برائی ہے؟ اچھے سے اچھے گھرانے کی لڑکی کا رشتہ اسے مل سکتا ہے۔ میرے رجسٹر میں اس وقت تین ایسے کیس ہیں جہاں میں آج فرہاد کا ذکر کروں تو کل تک تینوں شادی کی تاریخ مقرر کرنے کو بے قرار نظر آئیں گے، فرہاد کے لیے انتخاب کرنا

مشکل ہو جائے گا' ایک ایڈووکیٹ کی بیٹی ہے' جہیز میں وہ کینال ویو ہاؤسنگ سوسائٹی کا پلاٹ دے رہے ہیں۔ دوسری ایک ایئر ہوسٹس ہے وہ بذاتِ خود سب سے بڑا اور قیمتی جہیز ہے' ہزاروں روپے ہر ماہ کماتی ہے اور تیسری...... خیر جو بھی ہے' میں نے تو آپ کا بھلا کرنا چاہا' آخر آپ سے رشتہ ہے۔ آپ کی پریشانی اگر میرے توسط سے کم ہو تو اس سے بڑی خوشی اور کیا ہو گی۔"

"تیمور ٹھیک کہہ رہا ہے شمع! فرہاد بھلا لڑکا ہے' عرصے سے اسے جانتی ہوں۔"

"عرصے سے......؟ اور آج آپ پہ انکشاف ہوا کہ وہ بھلا لڑکا ہے۔" تیمور نے جتایا جس پہ وہ شرمندہ ہوئے بغیر کہنے لگیں۔

"اس سے ایک دیرینہ گلہ تو مجھے یہ ہے کہ پڑھائی سے تمہاری دلچسپی ختم کرانے میں بڑا ہاتھ تمہارے اور اس کے یارانے کا رہا ہے...... اس کا کیا ہے' باپ کا چلتا کاروبار ہے' شہر میں دو تین دوکانیں ہیں۔ ایف اے کر کے وہی سنبھال رہا ہے مگر تم تو بیٹھے رہ گئے ناں...... اور جب سے اس کی بہن کا رشتہ تمہارے ہاتھوں طے پایا تب سے یہ خار اور بڑھ گئی کیونکہ اسی سے شہر پاکے تم نے یہ کام پکڑا جو مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ لیکن جہاں تک ناز کی بات ہے...... تو ایمانداری سے کہوں گی بیٹی کی ماں کی نظر سے دیکھو تو یہ رشتہ واقعی بے عیب ہے۔ اس کی ماں بھی سیدھی سادی محبت کرنے والی عورت ہے۔ کھاتے پیتے لوگ ہیں مگر شو بازی ذرا نہیں' نہ ہی کسی چیز کا طمع ہے' ناز خوش رہے گی انشاءاللہ۔"

"بہن! خوش تو وہ تب رہے گی جب راضی ہو گی۔ تمہیں لڑکا پسند ہے تو میں کیا کہہ سکتی ہوں لیکن ناز کو مناؤ تو بات ہے۔"

"شمع! برا نہ ماننا' لڑکی ذات کو اتنا سر چڑھانا ٹھیک نہیں۔ ایسی خود سر تو یہاں شہر کی منہ زور لڑکیاں بھی نہیں۔ ہو گا کہیں امیر گھرانوں میں ایسا رواج...... مگر ہمارے تمہارے جیسے سفید پوشوں میں بچیاں سر جھکا کے...... جہاں ماں باپ کہیں' ہاں کر دیتی ہیں۔ بھلے کتنی ہی لاڈلی کیوں نہ ہوں۔ ناز کی تربیت میں تم سے چوک ہو گئی اور کسی سے یہ بات میں ہرگز نہیں کہتی کہ لوگوں میں سچی بات سننے کا یارا ہی نہیں رہا لیکن تم سے کہہ رہی ہوں کیونکہ جانتی ہوں' تم میری بات کا برا نہ مانو گی۔"

"شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو' لیکن قصور نہ میرا ہے نہ اس کا۔ سراسر حالات کا قصور ہے۔ کچھ بات فطری مزاج کی بھی ہے۔ مجھے ہنس کے سہہ جانے کی عادت ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں جیسے میں بے حس ہوں یا پھر ضرورت سے زیادہ وسیع القلب کہ بڑی سے بڑی ناانصافی پہ بھی ردعمل ظاہر نہیں کرتی' ہر طعنہ جھیل لیتی ہوں...... دل میرا بھی دکھتا ہے مگر کیا کروں...... عادت سے مجبور ہوں' سن کر بھی یہ ظاہر کر دیتی ہوں جیسے اگلے کا لوکیلا زہر میں بجھا طعنہ سمجھ میں ہی نہیں آیا...... مگر ناز اپنے خاندان پہ پڑی ہے' ایک کے بدلے چار سنانے والی۔ میری بیٹی جان کے خاندان' برادری والوں نے اس کے ساتھ بھی وہی کرنا چاہا جو شروع سے میرے ساتھ کرتے آ رہے تھے لیکن ہوا یہ کہ ان کا مقابلہ کرتے کرتے اس کا اپنا مزاج کڑوا ہو گیا۔ زبان چل چل کے اب چالو ہی ہو چکی ہے لیکن میری بچی دل کی بہت اچھی ہے۔ مجھے چاہتی بھی بہت ہے اور میرا خیال بھی بہت رکھتی ہے۔ تم نے اتنے دنوں میں دیکھا ہی ہو گا کہ کام کاج میں کتنی پھرتیلی ہے۔ گھر میں مجھے تنکا تک نہیں توڑنے دیتی۔"

"لیں...... پہلے بتاتیں مجھے...... یہ بھی کوئی مسئلہ ہے بھلا؟" تیمور نے چٹکی بجائی۔ "تنکوں کا کیا ہے' یہاں جتنے جی چاہے توڑ لیں' ابھی لا کر ڈھیر لگا دیتا ہوں۔" اس کا مذاق ان کے سر سے گزر گیا۔

"ہائے صفیہ...... بھولی خالہ کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"تمہارا لڑکا کتنا ہے...... میرا مطلب ہے بھولا ہے۔" ضبط کرتے کرتے بھی امی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ ہی گئی تھی۔

✡ ✡ ✡

"کیا اب میں اس جلیبیاں تلنے والے سے شادی کروں گی؟" حسب توقع ناز نے پہلا اعتراض یہ کیا۔

"گھر کا حلوائی مل رہا ہے ناشکری لڑکی! یہ کیا کم ہے کہ تمہیں کبھی سویٹ ڈش گھر پہ نہ بنانی پڑے گی۔"

"مم ۔۔۔ مگر آپ سمجھ نہیں رہے ۔۔۔ ہیں وہ صرف ایف اے اور میں ایم اے کر رہی ہوں۔"

"اس دن اتنا سمجھایا ۔۔۔ مگر" تیمور سنجیدہ ہو گیا۔

"تمہیں کیسے سمجھاؤں ۔۔۔ دیکھو' تعلیم کی اہمیت اور افادیت سے مجھے انکار نہیں۔ تعلیم انسان اپنے لیے حاصل کرتا ہے ۔۔۔ تم نے کی' اچھی بات ہے مگر تعلیم کو زندگی میں آگے بڑھنے کے لیے رکاوٹ مت بننے دو۔ کوئی فرق نہیں پڑتا اگر تمہارا شوہر تم سے تعلیم میں کچھ درجے کم ہو گا تو ۔۔۔ اتنی کم ظرف مت بنو۔ تم سے تو ہم مرد اچھے ہوتے ہیں۔ زیادہ تر شوہروں کی بیویاں تعلیم میں ان کے ہم پلہ تو ایک طرف گزارے لائق بھی نہیں ہوتیں۔ میری امی آٹھویں سے آگے نہ پڑھ پائیں جبکہ میرے ابو اپنے زمانے کے ایم ایس سی تھے اور تمہارے ابو سنا ہے' وہ بھی پڑھے لکھے انسان تھے جبکہ بھولی خالہ نے تو شاید اسکول کی شکل تک نہ دیکھی تھی۔ فرہاد کوئی چٹا ان پڑھ تو نہیں۔ اکلوتا ہے' اپنے باپ کے کاروبار میں جلد ہی دلچسپی لینے لگا جس کی وجہ سے تعلیم کا سلسلہ آگے نہ بڑھ سکا۔ سارے گھر والے نہایت شائستہ مزاج اور زمانے کے ساتھ ساتھ چلنے والے ہیں۔ پتا نہیں' تمہارے ذہن میں کیا تصور ہے۔ مٹھائی اور ڈبل روٹی بنانے والوں کا۔ یہ تمہارے چک کی کسی تنگ سی گلی کے اونچے سے تھڑے پہ چھ برفیاں' چار گلاب جامن اور کڑاہی سامنے رکھ کے جلیبیاں تلنے والا حلوائی نہیں۔ درجن بھر تو ان کے ملازم ہیں۔ دو دکانیں خوب چل رہی ہیں اور تیسری برانچ جو ابھی فرہاد کی نگرانی میں کھل رہی ہے وہاں بیکری کے ساتھ ساتھ فاسٹ فوڈ بھی ہو گا۔"

اسے کچھ کچھ آمادہ پا کے تیمور نے دوسرا حربہ اختیار کیا۔

"اپنی امی کا خیال کرو' جب وہ گاؤں واپس جا کے اتنے کھاتے پیتے گھرانے میں تمہاری بات طے ہونے کا بتائیں گی تو کیا واہ واہ ہو گی ان کی ۔۔۔ وہ سب لوگ جو باتیں کرتے ہیں کہ بھولی خالہ کبھی کوئی ڈھنگ کا کام نہیں کر سکتیں' دل سے قائل ہو جائیں گے۔ بے وقوف لڑکی! یہ دور پیسے کا ہے۔ اگر وہ کسی کو تمہاری منگنی ایک ڈبل ایم اے' یا پی ایچ ڈی ہولڈر سے کرنے کی خبر دیں گی تو وہ ہر گز متاثر نہ ہو گا' صرف یہ پوچھے گا کہ لڑکا کماتا کتنا ہے ۔۔۔ ایسا نہیں کہ ڈاکٹرز' انجینئرز اور پروفیسرز کی آمدنی کم ہوتی ہے ۔۔۔ میرے رجسٹر میں ایک پرائیویٹ انگلش کوچنگ سینٹر میں اولیول کے اسٹوڈنٹس کو پڑھانے والے ایک ٹیچر کا رشتہ موجود ہے جس کی ماہانہ آمدنی ستر ہزار روپے تک ہے۔"

"کیا ۔۔۔ ستر ہزار؟"

"ہاں اور ڈاکٹرز' انجینئرز' وکیلوں' سرکاری افسروں کے بارے میں تم خود اندازہ لگا سکتی ہو۔ مگر وہاں حال یہ ہے کہ ۔۔۔ مایا کو مایا ملے ۔۔۔ کر کے لمبے ہاتھ ۔۔۔ انہیں رشتہ ایسی لڑکی کا چاہیے جو سوسائٹی میں ان کے ہم پلہ نہیں بلکہ کچھ اوپر ہی ہو ۔۔۔ جہیز میں محض ضروریات زندگی کی چیزیں جیسے فریج' اے سی' ٹی وی وغیرہ نہ لائے بلکہ اس کے نام تگڑی جائیداد بھی ہو۔ اس لیے حقیقت پسندی سے کام لو۔ تم میں کوئی سرخاب کے پر نہیں لگے' نہ تم اتنی حسین و جمیل ہو نہ ہی پاکستان کی پہلی لڑکی جو ایم اے کر رہی ہے اور نہ ہی کسی نواب کی نسل سے ہو جو کوئی ایسا تعلیم یافتہ لڑکا تمہیں مل جائے جو معاشرے میں باعزت مقام بھی رکھتا ہو' کھاتا کماتا بھی ہو۔ بہت کوشش کے بعد میں تمہارے لیے ایسے رشتے ڈھونڈ سکتا ہوں جن کے پاس تعلیم تو ہے مگر فی زمانہ کام میں نہ آنے والی ۔۔۔ ایم اے ۔۔۔ مگر اردو' اسلامیات یا عربی میں ۔۔۔ یا پھر بی ایڈ ٹیچرز جو سرکاری اسکولوں میں چند ہزار روپے بمشکل کما پاتے ہیں۔ سارا دن کی سر کھپائی ۔۔۔ اور مہینے بھر بجٹ اور تنخواہ کی کھینچا تانی کے بعد جن کی ساری تعلیم تھک ہار کے کہیں سو جاتی ہے اور وہ گھر میں صرف اور صرف شوہر بن کے داخل ہوتے ہیں ۔۔۔ بد زبان' ہاتھ

چھٹ...... اور جھگڑالو شوہر۔" اس نے خوف ناک تصویر کشی کر کے اسے سوچنے پہ مجبور کر دیا۔

"مان لو ناز...... اکہ معاشی آسودگی خانگی آسودگی کی راہ ہموار کرتی ہے۔"

اور وہ شاید مان گئی تھی اس لیے خاموشی سے سر جھکا کے اپنی ہتھیلی مسلنے لگی۔

"تو تمہیں یہ رشتہ منظور ہے...... بولو...... منظور۔"

"جو اللہ کو منظور۔" اس نے طویل سانس بھری۔

✲ ✲ ✲

منگنی کی سادہ سی رسم یہیں ادا کرلی گئی۔ اس کے ایک ہفتے بعد بھولی خالہ کی روانگی تھی اور اس ایک ہفتے میں ناز کے اندر خاصی بڑی تبدیلی محسوس کی گئی۔ تیمور سے بلا وجہ خار کھانے والی ناز اب اس سے دوستانہ انداز میں پرانی سہیلیوں کی طرح باتیں کرتی دکھائی دیتی۔ بھولی خالہ بھی تیمور کی مشکور تھیں کہ اس نے وہ کام کر دکھایا جو انہیں ناممکن نظر آرہا تھا یعنی اس کے سر سے وہ خناس باہر نکال پھینکا جو چار جماعتیں پڑھنے کے بعد آن سمایا تھا اور وہ بے چاری یہی سوچ سوچ کے افسردہ اور مایوس ہوتی رہتی تھیں کہ اپنی کم حیثیتی کے ساتھ وہ بیٹی کے مطلوبہ معیار کا رشتہ کیسے ڈھونڈیں...... اب نہ صرف ناز اپنی ضد سے دست بردار ہو گئی تھی بلکہ تیمور کی وجہ سے اتنا اچھا رشتہ بھی مل گیا تھا۔ شادی دو ماہ بعد ہونا طے پائی تھی اور اس کی تیاری کے لیے انہیں جلد از جلد گاؤں واپس پہنچنا تھا۔ تیمور کی امی اس ایک ہفتے کے دوران ناز کو چار مرتبہ بازار لے گئیں تاکہ وہ اپنی مرضی کی شاپنگ کر لے۔

"اور بھی جو چاہیے...... یا جو رہ جائے لسٹ بنا کے دے جانا میں ساری شاپنگ مکمل کروا دوں گی اور ہاں تمہارے ولیمے کا جوڑا تو لڑکے والوں کے ہاں سے آئے گا البتہ شادی کے دن والا عروسی لباس میری طرف سے تحفہ ہوگا۔ تم آج چل کے پسند کر لو تاکہ میں آرڈر دے سکوں۔"

"نہیں صفیہ! پہلے ہی تم نے بہت کچھ دینے کا کہہ رکھا ہے۔" بھولی خالہ نے منع کرنا چاہا کیونکہ وہ بتا چکی تھیں کہ ناز کے جہیز کے لیے انہوں نے کیا کیا دینے کا ارادہ کر رکھا ہے۔

"تو کیا ہوا میری تو کوئی بیٹی ہے نہیں بیٹیوں والے سارے شوق میں ناز پہ ہی پورے کروں گی۔"

"اب تم بھی گھر میں بہو لانے کی فکر کرو۔ تیمور اس قابل تو ہو ہی گیا ہے۔" انہوں نے صلاح دی۔

"اسے اس بات کا دھیان ہی کہاں ہے۔ پہلے شہر بھر کے رشتے تو طے کرا لے۔" وہ اکتائے لہجے میں کہتی اٹھ گئیں۔

✲ ✲ ✲

"آپ اپنے لیے لڑکی کب پسند کر رہے ہیں؟" بعد میں ناز نے تیمور سے پوچھا۔ وہ بھنویں اچکا کے اسے دیکھنے لگا پھر اس کی سنجیدگی محسوس کر کے شانے اچکا کے رہ گیا۔

"گھوڑا گھاس سے دوستی کر لے گا تو کھائے گا کیا؟"

"کیا مطلب؟"

"اگر ہر لڑکی کو میں اپنے لیے پسند کرنے کی نظر سے جانچنے بیٹھ گیا تو میرا کام تو ہو گیا ناں ٹھپ...... ہر کاروبار...... یا ہر کام کی طرح یہ کام بھی ایمان داری کا متقاضی ہے۔ مائیں میری ذات پہ اعتماد کرتے ہوئے مجھے اپنے گھر کے اندر آنے دیتی ہیں اور کیا اچھا لگتا ہے کہ میں اس اعتماد کو ٹھیس پہنچاتے ہوئے اپنا مطلب نکالنے بیٹھ جاؤں۔"

"بات تو آپ کی ٹھیک ہے لیکن دل...... میرا مطلب ہے دل پہ کوئی اختیار تھوڑا ہی ہوتا ہے...... کبھی تو ایسا ہوا ہوگا کہ کسی بہت اچھی لڑکی کو دیکھ کے...... یا کسی بہت اچھی فیملی سے مل کے آپ کو ایسا لگا ہو یہاں اپنی بات چلانا چاہیے۔"

"یعنی تمہارا مطلب ہے کہ کسی کو دیکھ کر میرا دل دھڑک اٹھا ہو ذہن میں گھنٹیاں سی بج گئی ہوں...... من میں تمنائیں جاگ اٹھی ہوں...... وغیرہ وغیرہ......

ارے تم لڑکیوں کو ایسی افسانوی سی سچویشنز اور وہ بھی تصوراتی گھڑنے کے علاوہ اور کچھ آتا بھی ہے یا نہیں۔"

"نہیں، میں تو صرف یہ پوچھنا چاہ رہی تھی کہ۔۔۔۔"

"کہ مجھے کسی سے محبت وحبت تو نہیں ہوئی۔۔۔۔ ہے ناں؟" اس کے بے دھڑک کہنے پہ ناز سے نہ ہاں کہا گیا نہ ہی ناں۔۔۔۔ وہ جھجک کے نظریں چرا کے رہ گئی۔

"ہاں ہوئی تھی۔" اس نے خود ہی جواب دیا اور بڑی صاف گوئی سے دیا۔ ناز کی ساری جھجک دھری کی دھری رہ گئی، وہ اشتیاق سے پوچھنے لگی۔

"کیا؟۔۔۔۔ ہوئی تھی۔۔۔۔؟ مگر کس سے؟"

"ظاہر ہے، ایک لڑکی سے۔"

"اوہو، وہ تو میں بھی جانتی ہوں مگر کس لڑکی سے؟"

"تم کیا پاکستان کی ساری لڑکیوں کو ذاتی طور پہ جانتی ہو؟ جس سے تم واقف ہی نہیں، اس کا نام جان کے کیا کرو گی؟"

"مگر میں۔۔۔۔ دراصل خالہ کی خواہش تھی کہ اب آپ بھی سنجیدگی سے اپنا گھر بسانے کے بارے میں سوچیں۔ میں اس لڑکی سے انجان ہوں تو کوئی بات نہیں، خالہ تو واقف ہوں گی۔ آپ مجھے نام بتائیے میں ان تک پہنچا دوں گی، پھر وہ خود ہی۔"

"یہ کام میں تمہاری مدد کے بغیر بھی کر سکتا ہوں مگر قصہ کچھ یوں ہے کہ۔۔۔۔" اس کی آواز سرگوشی میں بدل گئی تو ناز کو ذرا اور قریب کھسکنا پڑا۔ اس کا رازدارانہ انداز ناز کو مزید تجسس میں مبتلا کر رہا تھا۔

"قصہ کچھ یوں ہے کہ۔۔۔۔ میں کوئی ترسا نہیں بیٹھا شادی کو۔" اچانک وہ آواز اور لہجہ تیز کر کے بولا تو وہ خائف ہو کے پیچھے ہٹ گئی۔

"آپ بھی بس۔۔۔۔" شرمندہ شرمندہ سی وہ اپنی منگنی کی انگوٹھی انگلی میں گھمانے لگی۔

"آپ نہ سہی مگر خالہ تو چاہتی ہیں کہ اب ان کے گھر میں رونق آئے۔ اگر آپ واقعی اسے اتنا پسند کرتے ہیں تو پھر شادی کر کیوں نہیں لیتے۔"

"تم نے سنا ہو گا، درزی کے اپنے کپڑے ہمیشہ پھٹے ہوتے ہیں اور موچی کی اپنی چپل ہمیشہ ٹوٹی ہوتی ہے بس وہی حساب کتاب اپنا ہے۔ بھئی اگر درزی اپنے کپڑے سینے بیٹھ گیا تو گاہکوں کا کام تو دھرے کا دھرا رہ جائے گا۔۔۔۔ گاہکی پہ فرق پڑے تو لازما" کام پہ بھی حرف آئے گا۔۔۔۔ لہٰذا پروفیشنل ازم کا تقاضا یہ ہے کہ اپنی ذات اور اپنے کام کو ہمیشہ پس پشت ڈال کے پہلے کسٹمرز کو بھگتایا جائے۔ میرے ساتھ بھی ایک ٹریجڈی ہوئی تھی۔ پہلی بار مجھے ایک لڑکی پسند آئی۔۔۔۔ مگر ہوا یہ کہ میرے ساتھ ساتھ وہ میرے ایک کلائنٹ کو بھی بھا گئی۔ اب میں چاہتا تو بڑی آسانی سے اسے کسی اور اچھے رشتے کی جانب متوجہ کر کے خود اپنا گھر بسا سکتا تھا لیکن میں نے ایسا نہ کیا۔ اس کی دو وجوہات تھیں، ایک تو یہ کہ لڑکی کے گھر والوں نے میرے ذمے یہ کام سونپتے ہوئے بہتر سے بہترین رشتہ لانے کی توقع ظاہر کی تھی اور میں ایمان داری سے تجزیہ کرنے کے بعد اس امیدوار کو اپنے مقابلے پہ کئی گنا بہتر پا رہا تھا، اسی لیے اپنے پیشے سے ایمان داری کا ثبوت دیتے ہوئے میں نے اس کی بات چلا دی۔"

"واقعی؟" ناز سچ مچ متاثر نظر آ رہی تھی۔ اب تک وہ تیمور کو جتنا بھی سمجھ پائی تھی، آج کا یہ انکشاف اسے اس سے کہیں زیادہ مخلص، ایثار پسند اور بے ریا ثابت کر رہا تھا۔ قریب تھا کہ وہ متاثر ہوتے ہوتے عقیدت یا پرستش کی حد تک پہنچ جاتی، وہ خود ہی مزید کہنے لگا۔

"اور دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ امیدوار اپنی پسند کی لڑکی سے شادی کرا دینے کی صورت میں مجھے طے شدہ ادائیگی کے علاوہ ایک اور بہت بیش قیمت تحفہ دینے والا تھا۔ ایک ایسی چیز جس کی مجھے بہت اشد ضرورت تھی، اس لیے میں نے۔۔۔۔" اس نے شانے اچکائے۔

"اس لیے آپ نے محبت پہ ضرورت کو ترجیح دی۔" وہ تاسف سے کہنے لگی۔ چند منٹ پہلے بنا اس کا امیج خود بخود ہی دھڑام سے زمین بوس ہو چکا تھا۔

"اس کے باوجود آپ اتنے مطمئن نظر آ رہے

ہیں؟"

"ہاں' اس لیے کہ میں نے جو کیا وہ پروفیشنل ازم کا تقاضا تھا۔"

"جھوٹ کہہ رہے ہیں آپ! دوسری وجہ آپ خود بتا چکے ہیں۔ آپ کو لالچ ہی ایسا دیا گیا کہ آپ نے۔۔۔" لب کچلتے ہوئے وہ سر جھٹک کے اٹھ گئی۔

"صحیح غلط کا فیصلہ اتنی جلدی نہیں کرنا چاہیے ناز! میرا یقین کرو' اس فیصلے کے پیچھے ان دونوں وجوہات کا برابر کا عمل دخل تھا۔"

"ہونہہ۔۔۔۔ برابر کا۔۔۔ یا تو انسان خود غرض ہوتا ہے یا بے غرض۔۔۔ یہ دونوں خصوصیات "برابر" کی مقدار میں کسی میں نہیں پائی جاتیں۔" جاتے جاتے ناز نے پیچھے مڑ کے دیکھے بغیر کہا تھا۔

☼ ☼ ☼

دو ماہ بعد وہ دن آیا تھا جب فرہاد دھوم دھام سے اسے بیاہ کے اپنے محبتوں سے گندھے گھر میں لے آیا تھا۔ اس کی ماں اور بہن نے حقیقی خوشی کے ساتھ اپنے گھر میں اس کا استقبال کیا تھا۔ ان کی اندرونی مسرت اور محبت ان کے دمکتے چہروں سے واضح ہو رہی تھی۔ ناز کا وسوسوں اور اندیشوں میں گھرا ذہن ایک دم ہلکا پھلکا ہو گیا۔

"اچھی شکل و صورت کی ہے مگر ہم تو سمجھ رہے تھے کہ اکلوتا لڑکا ہے' خوب چھان پھٹک کے کوئی حور پری لاؤ گی۔" پتا نہیں اس عورت کا ناز کی ساس سے کیا رشتہ تھا جس نے منہ دکھائی کی رسم کے دوران با آواز بلند تبصرہ کیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتیں' ایک اور تیز طرار سی آواز سنائی دی۔

"بھئی۔ امیر خاندان کی ہوگی' خوب زیور پیسہ لائی ہوگی۔ ایسے میں حسن کو کون جانچتا پھرے۔"

منگنی تو انتہائی سادگی سے ہوئی تھی' فرہاد کی امی نے اپنے شوہر' بیٹی اور داماد کے ہمراہ تیمور ہی کے گھر آ کے اسے انگوٹھی پہنائی تھی اور بعد میں محلے اور خاندان میں یہ خبر مٹھائی کے ساتھ بانٹ دی تھی۔ بارات میں بھی زیادہ لوگ اس لیے نہ شامل ہوئے تھے کہ کسی کو کئی گھنٹے کے سفر کے بعد گاؤں بارات لے جانے میں دلچسپی نہ تھی۔ زیادہ تر خاندان کے مرد ہی گئے تھے' اس لیے عورتوں کی اکثریت ناز کے گھر اور اس کی حیثیت سے ناواقف تھی۔ وہ لوگ اسے گاؤں کے کسی جاگیردار' زمین دار کی بیٹی سمجھ رہے تھے۔

"شکل و صورت میں بھی میری بہو لاکھوں میں ایک ہے اور مزاج اور عادتوں کے لحاظ سے بھی بے مثل ہے۔" فرہاد کی امی نے وضاحت کی۔

"اور الحمد للہ شریف اور باعزت گھرانے سے تعلق ہے۔ رہا روپے پیسے اور زیور گہنے کا سوال تو نہ ہمیں اس کا لالچ ہے' نہ ہم نے کچھ لیا ہے۔ یہ رشتہ صرف اور صرف میں نے اللہ کی ذات پہ توکل کرتے ہوئے اس امید پہ کیا ہے کہ جیسے میری بیٹی اپنے گھر میں سکھی ہے' ویسے ہی انشاء اللہ کسی اور کی بیٹی بھی میرے گھر کو خوشیوں سے بھر دے گی۔"

سر جھکائے بیٹھی ناز کا دم ہارتا حوصلہ نئے سرے سے جوان ہو گیا۔

"یہ رشتہ بھی اسی لڑکے نے کرایا ہے ناں جس نے تمہاری بیٹی کا رشتہ کرایا تھا۔" کسی کے پوچھنے پہ ناز کو اچانک خیال آیا کہ شادی کے ہنگاموں میں اس نے نہ تو تیمور کو دیکھا نہ سنا۔

"مجھے ملوانا اس سے' میری دو بھانجیاں ہیں۔ بڑی پیاری مگر پتا نہیں کیا بات ہے' اب تک کہیں بات نہیں جڑ سکی۔"

"ضرور ملواتی' اگر وہ۔۔۔ ارے دلہن کو تو کمرے میں لے جاؤ' بے چاری تھک گئی ہوگی۔" ان کے کہنے پہ فوراً ہی فرہاد کی بہن اور چند اور لڑکیاں اسے تمام کے اس بھرے پرے کمرے سے فرہاد کے سجے سجائے کمرے میں لے جانے لگیں۔

"ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ اگر وہ یہاں ہوتا تو میں ضرور۔۔۔" جاتے جاتے اس نے بس یہ سنا تھا۔

☼ ☼ ☼

"لو' منہ میٹھا کرو۔" فرہاد نے ایک تازہ بہ تازہ گلاب

سن اس کے ہونٹوں سے لگانا چاہی۔ رونمائی کے اس عجیب و غریب تحفے پہ وہ حیران رہ گئی۔ حیا سے بوجھل پلکیں ایک دم اٹھیں اور بے پناہ حیرت بھرے سوال دیئے لہا بنے فرہاد سے کرکے فوراً جھک گئیں' وہ ہنس پڑا۔

"میں نے اپنے ہاتھوں سے..... نہیں بنائی۔" آدھا فقرہ کہہ کے اس نے مختصر سا وقفہ دیا اور پھر اس کے چہرے کے تاثرات جانچتے ہوئے فقرہ مکمل کیا۔ وہ مزید سر جھکا کے رہ گئی۔

"تیمور نے بتایا تھا مجھے کہ تمہیں مجھ سے شادی کرنے میں یہ اعتراض تھا کہ تمہیں جلیبیاں تلنے اور باقرخانیاں گوندھنے والے سے شادی نہیں کرنا۔"

"جی۔ نہیں..... وہ تو بس....." وہ جی بھر کے شرمندہ ہوئی۔ (یہ بھلا کوئی موقع ہے اس قسم کی گفتگو کا اور پچھلی باتیں یاد دلانے کا۔ تیمور بھی ناں..... کیا ضرورت تھی یہ سب ان سے کہنے کی۔)

اور اس کے ساتھ ہی ایک بار پھر اسے تیمور کی غیر موجودگی بری طرح محسوس ہوئی۔ وہ فرہاد سے اس کے بارے میں پوچھنے کے لیے بے تاب ہو گئی۔ بڑی مشکل سے خود کو روکا' بے شک فرہاد' تیمور کا اچھا دوست تھا مگر اب وہ اس کا شوہر بھی تھا۔ شادی کی پہلی رات کو' ایک سجی بنی دلہن اپنے دولہا سے کسی غیر مرد کے بارے میں دریافت کرتی کس قدر نامعقول لگے گی۔

"میں جانتا ہوں' کئی لحاظ سے میں تمہارے قابل نہیں تھا مگر اس کے باوجود میرا ساتھ قبول کرکے تم نے مجھ پہ بہت بڑا احسان کیا ہے۔"

"احسان..... احسان کیسا؟ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔"

"اور یقین کرو میں پوری کوشش کروں گا کہ تمہیں زندگی میں کبھی اپنے اس فیصلے پہ پچھتانا نہ پڑے۔"

"ایسا کبھی نہیں ہوگا' میں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتی ہوں کہ مجھے آپ جیسا۔" مدھم

موٹاپے سے نجات

کہا جاتا ہے کہ ہر بیماری کی جڑ پیٹ کی خرابی ہے' موٹاپا اور پیٹ کا بڑھ جانا خواتین کا ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ اسی طرح چہرے پر مہاسے کیل' چھائیاں بھی پیٹ کی خرابی سے ہوتی ہیں۔

خواتین کے ان تمام مسائل کا حل

نایاب جڑی بوٹیوں سے تیار کردہ

جوہر ہاضم

- موٹاپا ختم
- بڑھا ہوا پیٹ اندر
- داغ دھبے اور کیل مہاسے غائب
- گیس' معدے کی گرانی کا خاتمہ
- قیمت صرف -/60 روپے

منگوانے کا پتہ

- خواجہ اسٹور کیمسٹ اینڈ ڈرگسٹ مرچنٹ۔ بالمقابل ایمپریس مارکیٹ صدر کراچی۔ فون:۔ 5212257
- شاہد میڈیکو ہومیو اینڈ یونانی سپر مارکیٹ فضل بلڈنگ آرام باغ روڈ کراچی۔ فون:۔ 5849828
- خان یوتل اسٹور پاپڑ منڈی شاہ عالم گیٹ لاہور۔ 7665454
- عبدالواحد محمد شریف شائق شاپ نمبر 67 عزہ شارع عبداللہ فیصل مکہ مکرمہ۔ سعودی عربیہ۔ فون:۔ 5745243

عمروں میں کوئی خوش کُن بات کہتے کہتے اسے ڈھیر ساری حیا نے آن گھیرا اور وہ مسکرا کے چپ ہو گئی۔

"دراصل تیمور نے مجھے خاصا ڈرا رکھا تھا۔ وہ تو کہتا تھا کہ تم بہت مشکل سے رضامند ہوئی ہو اور۔۔۔ اچھا اب سمجھا۔۔۔ ایک نمبر کا فراڈیا ہے یہ بھی۔ جان گیا تھا کہ میں کس بری طرح تم پہ فدا ہو چکا ہوں' اس لیے ایک طرف تو مجھے امید دلاتا رہا کہ تم صرف میری بنو گی اور دوسری طرف کام کو مشکل بتا کر اپنا مطلب بھی نکالتا رہا۔ خیر۔۔۔ جہاں رہے خوش رہے۔۔۔ جو بھی ہے' اپنا تو بھلا کر گیا۔"

"مگر کہاں گیا۔۔۔ میرا مطلب ہے کہ کیا وہ کہیں چلے گئے ہیں؟" اس بار وہ خود کو سوال کرنے سے روک نہ پائی۔

"ارے تمہیں نہیں پتا۔۔۔ وہ کینیڈا چلا گیا ہے۔ میں نے ہی تو اس کے جانے کے سب انتظامات کرائے تھے بلکہ اصل بات تو یہ ہے کہ ٹکٹ وغیرہ بھی میں نے لے کر دیا تھا۔ میرا ایک کزن جو میرا بہت اچھا دوست بھی ہے' وہاں پچھلے آٹھ سالوں سے سیٹل ہے۔ اس کے پاس ہی بھیجا ہے۔ چند مہینوں میں ہی وہ اس کے پیر بھی کہیں نہ کہیں جما دے گا۔"

"مگر آپ نے اتنا خرچا کس لیے کیا؟"

"تمہارے لیے جان۔" فرہاد نے اس کے چہرے پہ جھولتی لٹ کو ہولے سے چھوتے ہوئے کہا۔

"تیمور جانتا تھا کہ میرے کزن کے لیے اس کو وہاں بلانا خاصا آسان ہے' صرف میرے کہنے کی دیر ہوتی مگر اس کا دوسرا مسئلہ ٹکٹ بھی تھا جو کم پیسوں میں نہیں آتا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ وہ کسی بھی طرح تمہیں منالے گا مگر انعام یا معاوضے کے بدلے اسے کینیڈا کا ٹکٹ چاہیے۔ مجھ پہ تو صرف تمہیں پانے کی دُھن سوار تھی' چند ہی دنوں میں ارینج کر کے دے دیے۔"

"اور آپ نے محبت پہ ضرورت کو ترجیح دی؟"

اسے وہ الزام یاد آیا جو اس نے بے حد شاکی انداز میں تیمور کو دیا تھا' یہ جان کر کہ وہ اپنی محبت سے دستبردار ہو گیا تھا۔ صرف ایک ایسی چیز کو پانے کے لیے جس کی اسے ضرورت تھی اور وہ لڑکی کوئی اور نہیں' وہ خود تھی۔ یہ انکشاف اسے اور بھی شکستہ کر گیا۔

چند منٹ پہلے فرہاد کا اعتراف محبت اسے ہواؤں میں اڑائے لے جا رہا تھا۔ کوئی آپ کی خاطر زمانے بھر کو جوتی کی نوک پہ رکھنے کو تیار ہو' اپنا سب کچھ قربان کرنے پہ آمادہ ہو' یہ خیال کتنا مغرور بنا دیتا ہے۔ اس کا احساس اسے اس وقت ہو رہا تھا۔

اور چند منٹ بعد ہی جیسے اس کے پر کتر لیے گئے' وہ منہ کے بل زمین پہ جا گری' یہ جان کر کہ کوئی ہے جسے اس کی طلب سے زیادہ کسی اور چیز کی چاہ تھی۔ جو اس کے بدلے کچھ اور حاصل کرنے کا خواہش مند تھا۔

"صحیح غلط کا فیصلہ اتنی جلدی نہیں کرنا چاہیے۔"

اسے تیمور کی آخری بات یاد آئی اور بہت کچھ اور بھی یاد دلا گئی۔

"ایمان داری سے تجزیہ کرنے کے بعد میں نے اس دوسرے شخص کو اپنے مقابلے پہ کئی گنا بہتر پایا تھا' اس لیے اپنے پیشے سے ایمان داری کا ثبوت دیتے ہوئے میں نے۔۔۔"

"کیا سوچ رہی ہو؟" فرہاد کی آواز اسے خیالوں سے واپس کھینچ لائی۔ جھکے ہوئے سر اور گھونگھٹ کی وجہ سے اس کے چہرے کے تاثرات فرہاد سے چھپے ہوئے تھے۔ بدقت تمام اس نے اپنے دل کو اس کیفیت سے نکالنے کی سعی کی۔

"نہیں' کچھ نہیں۔۔۔ کچھ بھی تو نہیں۔"

کہنے کو اس نے کہہ دیا کہ "کچھ بھی نہیں۔" مگر حقیقت یہ تھی کہ اب اس کے دل میں عمر بھر یہ سوال' یہ کھوج کنڈلی مارے بیٹھنے والا تھا۔

"اس کے اس عمل کے پیچھے کون سی وجہ رہی ہوگی۔ وجہ نمبر ایک یا وجہ نمبر دو۔"